دیتے ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ملت کے بدخواہ اور اس کے اندر انتشار کے خواہاں ہیں۔ اگر یہ خیر خواہ ہوتے تو اس طرح کی کوئی بات اگر ان کے علم میں آتی تو پہلے اس کو رسولؐ اور امت کے ارباب حل و عقد کے سامنے لاتے تاکہ وہ اس کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے فیصلہ کر سکتے کہ اس صورت میں کیا قدم اٹھانا چاہیے۔

آخر میں فرمایا کہ جنگ کا جو حکم تمہیں دیا جا رہا ہے اس میں تم پر اصل ذمہ داری تمہارے اپنے ہی نفس کی ہے، تم خود اٹھو اور مومنین مخلصین کو اٹھنے کی ترغیب دو۔ اللہ چاہے گا تو تمہارے ہی ذریعہ سے وہ ان کفار کا زور توڑ دے گا۔ اللہ بڑی زبردست طاقت والا ہے۔ رہے یہ منافقین تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ جو کسی کار خیر میں تعاون کرتا اور اس کے حق میں لوگوں کو ابھارتا ہے وہ اس میں سے حصہ پائے گا اور جو کسی کار خیر سے خود رکتا ہے اور دوسروں کو روکنے کی کوشش کرتا ہے وہ اپنے اس عمل سے حصہ پائے گا ——— اب اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمائیے۔

آیات ۷۷-۸۵

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَآتُوا الزَّكَوٰةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧٧﴾ أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ وَإِن تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۖ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴿٧٨﴾ مَّا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ۖ وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ ۚ وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ

رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ
اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ
طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ
الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ
عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ
كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾
وَاِذَا جَاۗءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ
رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ
يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ
لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا
تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ
بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾
مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ
يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي
كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾

ترجمۂ آیات
۸۵ ...

تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا جاتا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے
رکھو اور نماز کا اہتمام رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو تو جب ان پر جنگ فرض کر دی
گئی تو ان میں سے ایک گروہ لوگوں سے اس طرح ڈرتا ہے جس طرح اللہ سے

ڈرا جاتا ہے، یا اس سے بھی زیادہ۔ وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب تو نے ہم پر جنگ کیوں فرض کر دی، کچھ اور مہلت کیوں نہ دی۔ کہہ دو اس دنیا کی متاع بہت قلیل ہے اور جو لوگ تقویٰ اختیار کریں گے ان کے لیے آخرت اس سے کہیں بڑھ کر ہے، اور تمھارے ساتھ ذرا بھی حق تلفی نہ ہوگی۔ اور موت تم کو پالے گی تم جہاں کہیں بھی ہوگے، اگرچہ مضبوط قلعوں کے اندر ہی ہو۔ اور اگر ان کو کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے تو کہتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے اور اگر کوئی گزند پہنچ جائے تو کہتے ہیں یہ تمھارے سبب سے ہے۔ کہہ دو ان میں سے ہر ایک اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ کوئی بات سمجھنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ تمھیں جو سکھ بھی پہنچتا ہے خدا کی طرف سے پہنچتا ہے اور جو دکھ پہنچتا ہے وہ تمھارے اپنے نفس کی طرف سے پہنچتا ہے اور اے رسول ہم نے تم کو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی گواہی کافی ہے اور جو رسول کی اطاعت کرتا ہے اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے اس پر تم کو نگران نہیں مقرر کیا۔ ”۔۔۸۰

اور یہ کہتے ہیں کہ سر تسلیم خم ہے، پھر جب تمھارے پاس سے ہٹتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ بالکل اپنے قول کے برخلاف مشورت کرتا ہے اور اللہ لکھ رہا ہے جو سرگوشیاں وہ کر رہے ہیں۔ تو ان سے اعراض کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ بھروسہ کے لیے کافی ہے۔ اور کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں وہ بڑا اختلاف پاتے۔ ۸۱۔۸۳

اور جب ان کو کوئی بات امن یا خطرے کی پہنچتی ہے تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر یہ اس کو رسول اور اپنے اولوالامر کے سامنے پیش کرتے تو جو لوگ ان میں سے بات کی تہ کو پہنچنے والے ہیں وہ اس کو اچھی طرح سمجھ لیتے۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تھوڑے سے لوگوں کے سوا تم شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔ ۸۳

پس اللہ کی راہ میں جنگ کرو۔ تم پر اپنی جان کے سوا کسی کی ذمہ داری نہیں ہے اور مومنوں کو اس کے لیے ابھارو۔ توقع ہے کہ اللہ کافروں کے دباؤ کو روک دے اور اللہ بڑے زور والا اور عبرت انگیز سزا دینے والا ہے۔ جو کسی اچھی بات کے حق میں کہے گا اس کے لیے اس میں سے حصہ ہے اور جو اس کی مخالفت میں کہے گا اس کے لیے اس میں سے حصہ ہے اور اللہ ہر چیز کی طاقت رکھنے والا ہے۔ ۸۵

۲۷۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا (۷۷)

گفتار کے غازی عمل کے بودے

اس دور میں کفار کے علاقوں میں مسلمانوں کی مظلومیت اور بے بسی کا جو حال تھا اس کا ذکر اوپر کی آیات میں گزر چکا ہے۔ ان حالات سے مدینہ کے مسلمانوں کے اندر جنگ کا احساس پیدا ہونا ناگزیر تھا۔ مسلمان اپنے اس احساس کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے تو منافقین بھی پورے جوش و خروش سے جذبۂ جنگ کا اظہار کرتے بلکہ اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے لیے کچھ زیادہ ہی جوش و خروش کا اظہار کرتے۔ قاعدہ ہے کہ جس کا عمل کمزور ہو وہ ایک قسم کے احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے جس

کے سبب سے اسے لاف زنی کا سہارا لینا پڑتا ہے تاکہ اس کی بزدلی کا راز دوسروں پر کھلنے نہ پائے۔ چنانچہ منافقین بھی زبان سے بڑے ولولے کا اظہار کرتے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم انھیں روکتے کہ ابھی انتظار کرو اور نماز کے اہتمام اور زکوٰۃ کے ذریعے سے اپنے تعلق باللہ، اپنی تنظیم اور اپنے جذبۂ انفاق کو ترقی دو۔ لیکن جب اس کا وقت آگیا اور جنگ کا حکم دیا گیا تو زبان کے ان غازیوں کا سارا جوش سرد پڑ گیا، اب یہ چھپنے کی کوشش کرتے اور دل میں جو رعب اور خشیت خدا کے لیے ہونی چاہیے اس سے زیادہ دہشت ان کے دلوں پر انسانوں کے لیے طاری تھی۔ یہ دل ہی دل میں کہتے کہ اسے خدا اتنی جلدی تو نے یہ جنگ کا حکم کیوں دے دیا، کچھ اور مہلت کیوں نہ دی۔ 'قَالُوا' کا لفظ یہاں ان کی ذہنی حالت کی تعبیر کر رہا ہے۔ عربی زبان اور قرآن میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔ فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ اس دنیا کی زندگی اور اس کا عیش و آرام تو چند روزہ ہے۔ اس کے لیے اتنی بے قراری کیوں ہے۔ عیشِ دوام تو آخرت میں ہے جو لوگوں سے ڈرنے والوں کے بجائے اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہے۔ اس کے لیے کمر باندھیں اور اطمینان رکھیں کہ جو کریں گے اس میں سے رتی رتی کا صلہ پائیں گے۔ ذرا بھی ان کے ساتھ کمی نہیں کی جائے گی۔

جہاد اور نماز و زکوٰۃ میں گہری مناسبت

اس آیت سے یہ بات نکلتی ہے کہ اسلامی جنگ کی روح اور نماز و زکوٰۃ میں نہایت گہری مناسبت ہے۔ جو لوگ خدا کی راہ میں لڑنے کے لیے تیار ہو رہے ہوں ان کے لیے اسلحہ کی ٹریننگ سے زیادہ ضروری اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ ہے۔ جہاد میں جو للّٰہیت، اخلاص اور نظم و طاعت کی جو پابندی مطلوب ہے اس کی بہترین تربیت نماز سے ہوتی ہے اور اس کے لیے انفاق فی سبیل اللہ کا جو جذبہ درکار ہے وہ ایتائے زکوٰۃ کی پختہ عادت سے نشوونما پاتا ہے۔ ان صفات کے بغیر اگر کوئی گروہ جنگ کے لیے اٹھ کھڑا ہو تو اس جنگ سے کوئی اصلاح وجود میں نہیں آ سکتی، اس سے صرف فساد فی الارض میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ یہی حکمت ہے کہ اسلامی جنگ کے سخت سے سخت حالات میں بھی نماز کے اہتمام و التزام کی تاکید ہوئی۔ آگے اسی سورہ میں اس مسئلے پر ہم بحث کرنے والے ہیں اس وجہ سے یہاں اشارے پر کفایت کرتے ہیں۔

أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ وَإِن تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِ اللَّهِ ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِندِكَ ۚ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۖ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا (۷۸)

'بروج'، 'بُرج' کی جمع ہے۔ اپنے ابتدائی مفہوم میں تو یہ کسی نمایاں اور واضح چیز کے لیے استعمال ہوا، لیکن پھر یہ بلند عمارتوں اور قلعوں کے لیے معروف ہو گیا۔ اس کے ساتھ 'مُشَيَّدَة' کی صفت بلندی اور استحکام دونوں مفہوموں پر مشتمل ہے۔

خوفِ موت کی علت اور اس کا علاج

اب یہ ان منافقین کے خوفِ موت کی علت بھی واضح فرمائی ہے اور اس عقیدے کو بھی بیان فرمایا ہے جو اس خوف کا واحد علاج ہے۔ فرمایا کہ موت سے کسی کے لیے مفر نہیں ہے، جس کی موت جس گھڑی، جس مقام اور جس شکل میں لکھی ہے وہ آکے رہے گی، آدمی مضبوط سے مضبوط قلعوں کے اندر چھپ کے بیٹھے وہاں بھی موت اس کو ڈھونڈھ لے گی، اس وجہ سے اس سے ڈرنا اور بھاگنا بے سود ہے۔ آدمی پر جو فرض جس وقت عاید ہوتا ہے اس کو عزم و ہمت سے ادا کرے اور موت کے مسئلے کو خدا پر چھوڑے۔ آدمی کے لیے یہ بات تو جائز نہیں ہے کہ وہ تدابیر اور احتیاطوں سے گریز اختیار کرے اس لیے کہ اس کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ خدا کو آزمائے، لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی جائز نہیں ہے کہ وہ یہ گمان رکھے کہ وہ اپنی تدابیر سے اپنے آپ کو موت سے بچا سکتا ہے۔

رسول کا ہر کام خدا کی رہنمائی میں ہوتا ہے

پھر منافقین کی ایک اور حماقت کی طرف بھی اشارہ فرمایا جس کو ان کی اس بزدلی کی پرورش میں بڑا دخل تھا وہ یہ کہ حق و باطل کی اس کشمکش کے دوران میں جو نرم و گرم حالات پیش آ رہے تھے وہ ان سب کو خدا کی طرف سے نہیں سمجھتے تھے بلکہ کامیابیوں کو تو خدا کی طرف سے سمجھتے، لیکن کوئی مشکل یا کوئی آزمائش پیش آجاتی تو اسے پیغمبر کی بے تدبیری پر محمول کرتے کہ یہ مدبر لیڈر نہیں ہیں اس وجہ سے غلط اندازے اور غلط فیصلے کرتے ہیں جس کے نتائج غلط نکلتے ہیں (چنانچہ سورۂ آل عمران میں یہ بات گزر چکی ہے کہ منافقین نے احد کی شکست کی ساری ذمہ داری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈالنے کی کوشش کی کہ انھی کی بے تدبیری سے یہ شکست پیش آئی) اس سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ یہ لوگ نہ تو یہ مانتے تھے کہ کائنات میں صرف خدا ہی کی مشیت کارفرما ہے اور نہ یہ مانتے تھے کہ رسول کا ہر کام خدا کے حکم کے تحت ہوتا ہے۔ بظاہر آپ کی رسالت کا اقرار کرتے لیکن باطن میں ان کے یہی خیال چھپا ہوا تھا کہ آپ سارے کام اپنی رائے اور تدبیر سے کرتے ہیں۔ ان کے اس واہمے کی تردید کے لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی گئی کہ ان پر واضح فرما دیجیے کہ کامیابی ہو یا ناکامی، دکھ ہو یا سکھ، ان میں سے کوئی چیز بھی میری طرف سے نہیں ہے بلکہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے اس لیے بھی کہ میں کوئی کام خدا کے حکم کے بغیر نہیں کرتا اور اس لیے بھی کہ متصرفِ حقیقی اس کائنات کا اللہ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ہی ہے، اس کی مشیت کے بغیر نہ اس دنیا میں کسی کو دکھ پہنچ سکتا ہے نہ سکھ۔ لیکن ان لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ کسی بات کو سمجھنے کے پاس ہی نہیں پھٹکتے۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝۸۰

یہ آیتیں اوپر والی آیت ہی کے بعض اجمالات کو واضح کر رہی ہیں پہلے ان لوگوں کو، جو کامیابیوں

کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور ناکامیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر رہے تھے، مخاطب کرکے فرمایا کہ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ خیر و شر ہر چیز کا ظہور خدا ہی کی مشیت سے ہوتا ہے۔ اس کے حکم و اذن کے بغیر کوئی چیز بھی ظہور میں نہیں آسکتی۔ لیکن خیر اور شر میں یہ فرق ہے کہ خیر خدا کی رحمت کے تقاضا سے ظہور میں آتا ہے اور شر انسان کے اپنے اعمال پر مترتب ہوتا ہے۔ اس پہلو سے شر کا تعلق انسان کے اپنے نفس سے ہے۔

خیر خدا کی رحمت کا تقاضا ہے اور شر انسان کے اپنے اعمال پر مترتب ہوتا ہے

یہ حقیقت یہاں ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ خیر مطلق ہے۔ اس نے یہ دنیا اپنی رحمت کے لیے بنائی ہے۔ اس وجہ سے اس کی طرف کسی شر کی نسبت اس کی پاکیزہ صفات کے منافی ہے۔ شر جتنا کچھ بھی ظہور میں آتا ہے وہ صرف انسان کے اپنے اختیار کے سوء استعمال سے ظہور میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک خاص دائرے کے اندر آزادی بخشی ہے۔ یہ آزادی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اسی پر انسان کے تمام شرف کی بنیاد ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان آخرت میں جزا و سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ اگر یہ آزادی انسان کو حاصل نہ ہوتی تو حیوان اور انسان کے درمیان کوئی فرق نہ ہوتا۔ لیکن اس آزادی کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ غیر محدود اور غیر مقید نہیں ہے بلکہ، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، ایک خاص دائرے کے اندر محدود ہے۔ پھر اس دائرے کے اندر بھی یہ خدا کی مشیت اور اس کی حکمت کے تحت ہے۔ خدا کے اذن و مشیت کے بغیر انسان اپنے کسی ارادے کو پورا نہیں کر سکتا۔ نیک ارادے بھی اسی کی توفیق بخشی سے پورے ہوتے ہیں اور برے ارادے بھی اسی کے مہلت دینے سے بروئے کار آتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کے کسی برے ارادے کو بروئے کار آنے دیتا ہے تو اس پہلو سے تو وہ خدا کی طرف منسوب ہوتا ہے کہ اس کا بروئے کار آنا خدا ہی کے اذن و مشیت سے ہوا لیکن دوسرے پہلو سے وہ انسان کا فعل ہے کیونکہ اس کا ارادہ انسان نے خود کیا۔

شر کو مہلت دینے کی حکمت

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی فرد یا جماعت کے کسی شر کو سر اٹھانے کی مہلت دیتا ہے تو اس لیے دیتا ہے کہ اس میں بحیثیت مجموعی اس کی خلق کے لیے کوئی حکمت و مصلحت مدنظر ہوتی ہے۔ بعض اوقات اس ڈھیل سے اہل حق کی آزمائش ہوتی ہے کہ اس سے ان کی کمزوریاں دور ہوں اور ان کی خوبیاں نشوونما پائیں۔ بعض اوقات اس سے اہل باطل پر حجت تمام کرنا اور ان کے پیمانے کو لبریز کرنا ہوتا ہے۔ بعض اوقات قدرت خود ایسے حالات پیدا کرتی ہے جن سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ طبائع کے اندر جو کچھ دبا ہوا ہے وہ ابھرے تاکہ اس سے نیکیاں بھی ابھرتی ہیں اور جن کے اندر بدیاں مضمر ہوتی ہیں، ان کی بدیاں بھی ابھر آئیں۔

رسول کی کسی بات پر اعتراض اس کی رسالت کے انکار کو مستلزم ہے

منافقین کو مخاطب کرنے کے بعد آگے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اگر یہ منافقین تمھاری رسالت کے باب میں متردد ہیں اور تمھارے ہر قول و فعل کو خدا کی طرف سے نہیں سمجھتے تو اس بات کی پروا نہ کرو۔ تمھاری رسالت ان کی گواہی کی محتاج نہیں ہے۔ اس پر خدا کی گواہی کافی ہے۔ یہ لوگ

مانیں یا نہ مانیں، اب اللہ کی اطاعت کی واحد راہ یہی ہے کہ لوگ تمھاری اطاعت کریں۔ خدا کی اطاعت رسول ہی کی اطاعت کے واسطے سے ہوتی ہے۔ جو لوگ تم سے اعراض کریں تم ان کی ہدایت کے ذمہ دار بناکے نہیں بھیجے گئے ہو، ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اب ذمہ داری تمھاری نہیں بلکہ خود ان کی ہے۔

اگر التباس نہ ہو تو ضمیروں کے انتشار میں کوئی قباحت نہیں

یہاں خطاب ایک ہی سیاق میں منافقین سے بھی ہوا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی۔ لیکن ایسے مواقع میں اس طرح کے خطاب میں کوئی حرج نہیں ہے جہاں التباس کا اندیشہ نہ ہو۔ چونکہ پہلی بات واضح طور پر منافقین ہی کو مخاطب کر کے کہی جا سکتی تھی اس لیے کہ یہ انھی کے شبہے کا جواب ہے اس وجہ سے یہاں کسی التباس کا اندیشہ نہیں تھا۔ پھر دوسرے ٹکڑے میں آنحضرت صلعم کو مخاطب کر کے جو بات کہی گئی ہے اس میں بھی غور کیجیے تو روئے سخن درحقیقت منافقین ہی کی طرف ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سے اعراض کے اظہار کے طور پر ان کو مخاطب کرنے کے بجائے اپنے رسول کو مخاطب کر لیا۔ گویا ان کی طرف سے رسول کی اس ناقدری کے بعد اب وہ اس بات کے اہل نہیں رہے کہ ان کو خطاب کر کے ان سے رسول کے باب میں کوئی بات کہی جائے۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۖ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ۖ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا (۸۱-۸۲)

مبتدا کے حذف کا فائدہ

'طاعۃ' خبر ہے، مبتدا اس کا محذوف ہے اور یہ بات ہم واضح کر چکے ہیں کہ جب مبتدا کو حذف کر دیا جائے تو مقصود سارا زور خبر پر دینا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ پیغمبر کی مجلس میں ہوتے ہیں اور پیغمبر ان کو خدا کا کلام اور اس کے احکام سناتے ہیں تو وہ ہر بات پر کہتے ہیں کہ سر تسلیم خم ہے۔

بیّت یبیّت کا مفہوم

'بَیَّتَ یُبَیِّتُ' کے معنی اصلاً تو کوئی عمل رات میں کرنے کے آتے ہیں لیکن اپنے عام استعمال میں یہ لفظ رات کی قید سے مجرد ہو کر چھپ کر کوئی کام، کوئی مشورہ، کوئی رائے کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ الفاظ کے اس طرح اپنے ابتدائی مفہوم سے مجرد ہو جانے کی مثالیں عربی زبان میں بہت ہیں، اضحیٰ اور بَاتَ بھی اپنے عام استعمال میں دن اور رات کی قید سے مجرد ہو کر استعمال ہوتے ہیں۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ نبی کی مجلس میں تو یہ ہر بات پر سر تسلیم خم کرتے ہیں لیکن جب وہاں سے ہٹتے ہیں تو اپنی مجلسوں میں ان آیات و احکام کے خلاف مشورے کرتے ہیں جن کو اپنی خواہشات اور اپنے مفاد ذاتی کے خلاف پاتے ہیں۔

ان کے اس رویے پر قرآن نے پہلے تو ان کو دھمکی دی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی یہ ساری باتیں نوٹ ہو رہی ہیں، وہ یہ نہ سمجھیں کہ اگر وہ چھپ کر یہ سرگرمیاں کر رہے ہیں تو خدا سے بھی یہ چھپی ہوئی ہیں، ایک دن یہ سارا ریکارڈ ان کے سامنے آ جائے گا۔ اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی کہ آپ

ان سے اعراض فرمائیے اور خدا پر بھروسہ کیجیے، خدا کا بھروسہ کافی ہے، یہ شامت زدہ لوگ ان سرگوشیوں سے دینِ حق کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے، جو بگاڑیں گے، اپنا ہی بگاڑیں گے۔

قرآن بجز اللہ تعالیٰ کے کسی اور کے ارادے کا کوئی دخل نہیں

پھر منافقین کے اس تضادِ فکر کی طرف ان کو توجہ دلائی کہ ایک طرف قرآن اور پیغمبر کی باتوں پہ سرِ تسلیم خم کرنا اور دوسری طرف اسی قرآن اور اسی پیغمبر کی باتوں کو ہدفِ اعتراض بنانا آخر کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا ان کا خیال ہے کہ اس قرآن میں بیک وقت دو ارادوں (دو منبعوں) کی کارفرمائی ہے اس کی کچھ باتیں دانشمندانہ اور حکیمانہ ہیں جو سراہنے کے قابل ہیں اور کچھ باتیں خلافِ حکمت و مصلحت ہیں جو اعتراض و تنقید کی سزاوار ہیں؟ کیا وہ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر غور کرتے تو خود دیکھ لیتے کہ قرآن کی ہر بات اپنے اصول اور فروع میں اتنی مستحکم اور مرلوط ہے کہ ریاضی اور اقلیدس کے فارمولے بھی اتنے مستحکم و مرلوط نہیں ہو سکتے۔ وہ جن عقائد کی تعلیم دیتا ہے وہ ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ و پیوستہ ہیں کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی الگ کر دیجیے تو پورا سلسلہ ہی درہم برہم ہو جائے۔ وہ جن عبادات و طاعات کا حکم دیتا ہے وہ عقائد سے اس طرح پیدا ہوتی ہیں جس طرح تنے سے شاخیں پھوٹتی ہیں، وہ جن اعمال و اخلاق کی تلقین کرتا ہے وہ اپنے اصول سے اس طرح ظہور میں آتے ہیں جس طرح ایک شے سے اس کے قدرتی اور فطری لوازم ظہور میں آتے ہیں۔ اس کی مجموعی تعلیم سے زندگی کا جو نظام بنتا ہے وہ ایک بنیان مرصوص کی شکل میں نمایاں ہوتا ہے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے اس طرح جڑی ہوئی ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی الگ کرنا بغیر اس کے ممکن نہیں کہ پوری عمارت میں خلا پیدا ہو جائے۔

جس طرح اس کائنات کے اجزائے مختلفہ کا باہمی توافق اور ان کی سازگاری اس بات کی نہایت واضح شہادت ہے کہ اس کے اندر ایک ہی خدائے حی و قیوم کا ارادہ کارفرما ہے، کوئی اور اس میں شریک نہیں ہے اسی طرح اس کتابِ عزیز کے مختلف اجزا کی باہمی سازگاری و ہم آہنگی اس بات کی نہایت واضح دلیل ہے کہ یہ ایک ہی خدائے علیم و حکیم کی وحی ہے، اس میں کسی اور جن یا بشر کی کوئی مداخلت نہیں ہے۔ اس کائنات میں اگر مختلف ارادے کارفرما ہوتے تو یہ درہم برہم ہو کر رہ جاتی۔ اسی طرح اس کتابِ عزیز میں بھی اگر کسی اور فکر کی دراندازی ہوتی تو یہ تناقضات اور اختلافات کا ایک پراگندہ دفتر بن کے رہ جاتی۔

یہ آیت اس زمانے کے ان لوگوں کے لیے اپنے اندر بڑی تنبیہ کا سامان رکھتی ہے جو ایک طرف تو قرآن کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں، دوسری طرف اس کی ان تمام تعلیمات کو ہدفِ تنقید بھی بناتے ہیں جو ان کی خواہشات یا ان کے مزعومہ مصالح کے خلاف ہیں۔ ان کا یہ طرزِ عمل اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ وہ بھی ان منافقین ہی کی طرح اس کتاب میں خدا کے ساتھ غیر خدا کا ہاتھ بھی شریک مانتے ہیں، ورنہ آخر اس کے کیا معنی کہ اس کو خدا کی کتاب بھی مانا جاتے اور پھر اس کی بہت سی باتوں کو اعتراض، تنقید، تضحیک اور استہزا کا نشانہ بھی بنایا جائے۔

وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا (۸۳)

اُولُو الْاَمْرِ پر بحث

'اُولُو الْاَمْرِ' پر بحث اسی سورہ کی آیت ۵۹ کے تحت گزر چکی ہے۔

استنباط کا مفہوم

'اِسْتِنْبَاط' کا اصل مفہوم کنواں کھود کر اس سے پانی نکالنا اور کسی پوشیدہ چیز کو ظاہر کرنا ہے۔ اپنے اسی مفہوم سے ترقی کر کے کسی بات کی تہ کو پہنچنے اور اس کی حقیقت کو پانے کے معنی میں یہ استعمال ہوا۔

منافقین کی دلچسپی افواہوں سے

منافقین چونکہ ملت کے خیر خواہ نہیں تھے اس وجہ سے افواہیں پھیلانے کے معاملے میں بڑے چابکدست تھے۔ امن یا خطرے کی جو بات بھی ان کو پہنچتی آن کی آن میں جنگل کی آگ کی طرح ان کے ذریعے سے لوگوں میں پھیل جاتی۔ جماعتی زندگی میں افواہیں عام حالات میں بھی بڑے خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہیں اور جب حالات جنگ کے ہوں، جیسے کہ اس وقت تھے، تب تو ان کی خطرناکی وہ چند ہو جاتی ہے۔ منافقین ان افواہوں سے یوں تو مختلف فائدے اٹھانے کی کوشش کرتے لیکن خاص طور پر مسلمانوں، بالخصوص کمزور مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کے لیے یہ ان کا خاص حربہ تھا۔ بعض مرتبہ وہ اس طرح کی افواہوں سے مسلمانوں کے اندر غلط قسم کا اطمینان بھی پیدا کرنے کی کوشش کرتے اور ظاہر ہے کہ بے جا تشویش کی طرح غلط اطمینان بھی ایک خطرناک چیز ہے۔

افواہوں کے بارے میں صحیح طرزِ عمل

فرمایا کہ اگر یہ اللہ، رسول اور ملت کے خیر خواہ ہوتے تو ان کے لیے صحیح طریقہ یہ تھا کہ اس طرح کی جو باتیں ان کے علم میں آتیں ان کو عوام میں سنسنی پیدا کرنے کا ذریعہ بنانے کے بجائے ان کو رسولؐ اور امت کے اربابِ حل و عقد کے سامنے پیش کرتے تاکہ ان کے اندر جو لوگ معاملات کی گہری سوجھ بوجھ رکھتے ہیں ان کے موقع و محل کا تعین کرتے اور ان کے باب میں صحیح پالیسی اختیار کرتے۔ 'عَلِم' کے معنی کسی شے کے موقع و محل کے تعین کے بھی آتے ہیں۔ ہم بقرہ میں 'قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ' (اور بنی اسرائیل کے ہر قبیلے نے اپنا اپنا گھاٹ متعین کر لیا) کے تحت لفظ کے اس مفہوم کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔

'وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ' الآیہ سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ اب بھی ان کے لیے سنبھل جانے کا موقع ہے۔ یہ اللہ کا فضل و احسان ہے کہ ابھی اس نے ان کو شیطان کے پیچھے بگٹٹ چل کھڑے ہونے کے لیے چھوڑ نہیں دیا ہے، ویسے ہے یہ بھی شیطان ہی کی راہ۔

اسلام میں سیاسی نظام کی اہمیت اور اولوالامر اور رعیہ

اس آیت سے اسلام میں سیاسی نظام کی اہمیت و عظمت واضح ہوتی ہے کہ عوام کو اجتماعی نفع و ضرر کے معاملات میں مرجع و معتمد اپنے اولوالامر کو بنانا چاہیے۔ بطورِ خود اس طرح کی چیزوں کو عوام میں پھیلانا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اسلام میں اولوالامر کے لیے ضروری ہے کہ وہ دین اور دنیا دونوں کی ایسی سوجھ بوجھ رکھنے والے ہوں کہ پیش آنے والے حالات و معاملات میں شریعت و مصلحت کے تقاضوں کے مطابق قدم اٹھا سکیں۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ ۚ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا ۝ مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا ۖ وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُقِيتًا (۸۴-۸۵)

'شفع' کا مفہوم

'شفع' کے معنی ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں واضح کر چکے ہیں کہ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ جوڑنے کے ہیں۔ اسی مفہوم سے ترقی کر کے کسی کی بات کی تائید و حمایت یا اس کے حق میں سفارش کرنے کے معنی میں یہ استعمال ہوا۔ یہاں شفاعت حسنہ اور شفاعت سیئہ دو قسم کی شفاعتوں کا ذکر ہے۔

شفاعت حسنہ اور شفاعت سیئہ

شفاعت حسنہ تو ظاہر ہے کہ یہ ہوگی کہ کسی مقصد حق کو اس سے تائید و تقویت حاصل ہو۔ اس کے برعکس شفاعت سیئہ یہ ہے کہ اس سے تقویت و تائید کے بجائے اس مقصد کو نقصان پہنچے۔ منافقین قرآن کی دعوت جہاد کے لیے لوگوں کو ابھارنے کے بجائے، جیسا کہ اوپر اشارہ ہوا اور آگے تفصیل آ رہی ہے، لوگوں کا حوصلہ پست کرنے کی کوشش کر رہے تھے اس وجہ سے قرآن نے ان کی اس کوشش کو شفاعت سیئہ سے تعبیر کیا۔

'مقیت' کا مفہوم

'مقیت' کے معنی شہید و حفیظ اور مقتدر کے ہیں۔

یاد ہوگا، اس مجموعۂ آیات کا آغاز اس مضمون سے ہوا تھا کہ پہلے تو منافقین بہت بڑھ بڑھ کر جنگ و جہاد کی باتیں بناتے تھے لیکن اب جب کہ جنگ کا حکم دے دیا گیا ہے تو چھپتے پھرتے ہیں اور دوسروں کا حوصلہ بھی پست کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کے بعد اسی سلسلہ کی دوسری باتیں زیر بحث آ گئی تھیں۔ اب یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ پر ذمہ داری صرف اپنے نفس کی ہے، آپ خود جنگ کے لیے اٹھیے اور مسلمانوں کو اٹھنے کے لیے ابھاریے، جس کو توفیق ہوگی وہ اٹھے گا، جو نہیں اٹھے گا اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔ اللہ کے کام دوسروں پر منحصر نہیں ہوتے، وہ خود بڑی قوت رکھنے والا ہے اور مخالفوں کو عبرت انگیز سزا دینے والا ہے۔ وہ آپ کے اور آپ کے مخلص ساتھیوں ہی کے اندر اتنی قوت پیدا کر دے گا کہ اسی سے کفار کا زور ٹوٹ جائے گا۔

حق کی حمایت میں زبان سے کچھ کہنا بھی موجب اجر ہے

اس کے بعد فرمایا کہ منافقین جو ریشہ دوانیاں اور افواہ بازیاں مسلمانوں کا حوصلہ پست کرنے اور جہاد سے روکنے کے لیے کر رہے ہیں اس کی پروا نہ کیجیے۔ جو آج حق کی تائید و حمایت میں اپنی زبان کھولیں گے وہ اس کا اجر پائیں گے اور جو اس کے خلاف کہیں گے وہ اس کی سزا بھگتیں گے، خدا سب کچھ دیکھ رہا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔

۲۸۔ آگے کا مضمون —— آیات ۸۶-۱۰۰

آیت ۸۸ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین سے اعراض کا جو حکم دیا گیا تھا اس کا اثر قدرتی طور پر جاں نثار صحابہؓ پر یہ پڑ سکتا تھا کہ جن کے باب میں ان کو شبہ بھی ہو جاتا کہ ان کا تعلق منافقین سے ہے،

ان سے وہ ربط ضبط اور سلام و کلام ختم کر دیتے اور اس طرح ایک معاشرتی بائیکاٹ کی شکل پیدا ہو جاتی جو ابھی اس مرحلے میں مطلوب نہیں تھی۔ اس وجہ سے ضروری ہوا کہ اس موقع پر مسلمانوں کو ایسی ہدایات دی جائیں جو ان کو اعتدال پر قائم رکھیں۔ وہ منافقین سے ہوشیار تو رہیں لیکن ان سے سلام و کلام بند نہ کریں۔ ابھی ان کو اصلاح حال کا اور موقع دیں۔ چنانچہ سب سے پہلے مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ جو تمہیں سلام کرے اس کو اس کے سلام کا اس سے بہتر جواب دو یا کم از کم یہ کہ اس کے سلام کو لوٹا دو۔

پھر ان لوگوں کو خطاب کر کے جو دار الحرب کے منافقین کے لیے اپنے دل میں بڑا نرم گوشہ رکھتے تھے، اور ان کی منافیٔ اسلام حرکات کے واضح ہونے کے باوجود یہ توقع رکھتے تھے کہ ان کے ساتھ روابط قائم رکھے جائیں گے تو بالآخر یہ اچھے مسلمان بن جائیں گے، فرمایا کہ یہ لوگ تو مسلمان بننے سے رہے البتہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ تم ان کے ساتھ بندھے رہے تو یہ تمہیں بھی لے ڈوبیں گے۔ پھر ان کے مخلص سمجھے جانے کے لیے یہ کسوٹی قرار دی کہ یہ اپنے ماحول سے ہجرت کر کے تمہارے ساتھ آ ملیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو پھر ان سے تعلق رکھنے کے بجائے ان کو دشمن اور دشمنوں کا ساتھی سمجھو، ان کے ساتھ جنگ کرو۔

اس حکم عام سے صرف ان مسلمانوں کو مستثنیٰ کیا جن کا تعلق ایسے غیر مسلم قبائل سے ہو جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہو یا معاہدہ تو نہ ہو لیکن ان قبائل کے مسلمان فی الحال اپنی غیر جانبداری باقی رکھنا چاہتے ہوں، نہ اپنی قوم کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے تیار ہوں، نہ مسلمانوں کے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑنے کی جرأت کر رہے ہوں۔ فرمایا کہ اگر یہ اپنی غیر جانبداری باقی رکھیں، تم سے تعرض نہ کریں، تمہارے ساتھ ان کے تعلقات مصالحانہ رہیں تو تم بھی اُن کے خلاف کوئی جارحانہ اقدام نہ کرو۔ اس کے ساتھ یہ وضاحت بھی فرما دی کہ ضروری ہے کہ یہ غیر جانبداری واقعی اور حقیقی ہو۔ بعض جماعتیں ایسی ہیں جو بظاہر تو غیر جانبداری کی مدعی ہیں لیکن جب ان پر کفار کا دباؤ پڑ جاتا ہے تو یہ اسلام دشمنی کے لیے آمادہ ہو جاتی ہیں۔ ان کے بابت فرمایا کہ ان کے ساتھ دشمنوں ہی کا سا معاملہ کرو، اگر یہ تمہارے خلاف جارحانہ اقدام سے باز نہ آئیں تو تم بھی ان کو قتل کرو۔

اس کے بعد دار الحرب میں خطأً یا عمداً قتل ہو جانے والے مسلمانوں کی دیت کا حکم بیان فرمایا اور نہایت سخت الفاظ میں وعید فرمائی کہ جو شخص عمداً کسی مسلمان کو قتل کر دے گا اس کے لیے دائمی عذاب جہنم اور اس پر خدا کا غضب اور اس کی لعنت ہے۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ تم کفار کے جس علاقے پر حملہ کرو اس کے اندر کے مسلمانوں کے بارے میں پہلے اچھی طرح تحقیق کر لو تاکہ مسلمان تمہاری تلوار سے محفوظ رہیں اور اگر کوئی شخص اپنے ایمان کے اظہار کے لیے تمہیں سلام کرے تو تم محض طمع مال میں اس کو مسلمان تسلیم کرنے سے انکار نہ کرو۔

اس کے بعد تمام غیر معذور مسلمانوں کو جان و مال دونوں کے ساتھ خدا کی راہ میں جہاد پر اور تمام غیر معذور

مسلمانوں کو دار الحرب اور دار الکفر سے ہجرت پر ابھارا ہے اور ان کے مراتب و مدارج بیان فرمائے ہیں۔ اب اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمائیے۔

آیات ۸۶-۱۰۰

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾

النصف ع ۱۱ / ۸

فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْۤا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾ ع وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا

ع ۱۲ / ۹

إِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ
مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا۟ ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ
وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ
بَيْنَهُم مِّيثَـٰقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ
فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَ
كَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾ وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهُۥ
جَهَنَّمُ خَـٰلِدًا فِيهَا وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُۥ وَأَعَدَّ لَهُۥ عَذَابًا
عَظِيمًا ﴿٩٣﴾ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا ضَرَبْتُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَتَبَيَّنُوا۟
وَلَا تَقُولُوا۟ لِمَنْ أَلْقَىٰٓ إِلَيْكُمُ ٱلسَّلَـٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ
ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا فَعِندَ ٱللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۚ كَذَٰلِكَ كُنتُم مِّن
قَبْلُ فَمَنَّ ٱللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ
خَبِيرًا ﴿٩٤﴾ لَّا يَسْتَوِى ٱلْقَـٰعِدُونَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُو۟لِى ٱلضَّرَرِ وَ
ٱلْمُجَـٰهِدُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ بِأَمْوَٰلِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ ٱللَّهُ
ٱلْمُجَـٰهِدِينَ بِأَمْوَٰلِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى ٱلْقَـٰعِدِينَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا
وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلْحُسْنَىٰ ۚ وَفَضَّلَ ٱللَّهُ ٱلْمُجَـٰهِدِينَ عَلَى ٱلْقَـٰعِدِينَ أَجْرًا
عَظِيمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجَـٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٩٦﴾ ع ۵ ۱۰
إِنَّ ٱلَّذِينَ تَوَفَّىٰهُمُ ٱلْمَلَـٰٓئِكَةُ ظَالِمِىٓ أَنفُسِهِمْ قَالُوا۟ فِيمَ كُنتُمْ ۖ
قَالُوا۟ كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِى ٱلْأَرْضِ ۚ قَالُوٓا۟ أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ ٱللَّهِ

وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۚ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۚ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾

ع ۱۴ / ۱۱

ترجمہ آیات ۸۶-۱۰۰

اور جب تمھیں سلامتی کی کوئی دعا دی جائے تو تم بھی سلامتی کی اس سے بہتر دعا دو یا اسی کو لوٹا دو۔ اللہ ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے۔ اللہ ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تم سب کو قیامت کے دن کی طرف لے جا کے رہے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور اللہ سے بڑھ کر سچی بات کہنے والا کون ہو سکتا ہے۔ ۸۶-۸۷

پس تمھیں کیا ہوا ہے کہ تم منافقین کے باب میں دو گروہ ہو رہے ہو۔ اللہ نے تو انھیں ان کے کیے کی پاداش میں پیچھے لوٹا دیا ہے، کیا تم ان کو ہدایت دینا چاہتے ہو جن کو خدا نے گمراہ کر دیا ہے؛ جن کو خدا گمراہ کر دے، تم ان کے لیے کوئی راہ نہیں پا سکتے۔ یہ تو آرزو رکھتے ہیں کہ جس طرح انھوں نے کفر کیا ہے تم بھی کفر کرو کہ تم سب برابر ہو جاؤ تو تم ان میں سے کسی کو اپنا ساتھی نہ بناؤ جب تک وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں۔ اگر وہ اس سے اعراض کریں تو ان کو گرفتار کرو اور قتل کرو جہاں کہیں بھی پاؤ اور ان میں سے کسی کو ساتھی اور مددگار نہ بناؤ۔ صرف وہ

لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جن کا تعلق کسی ایسی قوم سے ہو جن کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے۔ یا وہ لوگ جو تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ نہ اپنے اندر تم سے لڑنے کی ہمت پا رہے ہیں نہ اپنی قوم ہی سے۔ اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر دلیر کر دیتا تو وہ تم سے لڑتے۔ پس اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں، تم سے جنگ نہ کریں، تمہارے ساتھ صلح جویانہ رویہ رکھیں تو اللہ تم کو بھی ان کے خلاف کسی اقدام کی اجازت نہیں دیتا۔ ۔۔۔۔۹۰

اور دوسرے کچھ ایسے لوگوں کو بھی تم پاؤ گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی محفوظ رہیں اور اپنی قوم سے بھی محفوظ رہیں لیکن جب جب فتنے کی طرف موڑے جاتے ہیں اس میں گر پڑتے ہیں۔ پس اگر یہ تم سے کنارہ کش نہ رہیں، تم سے صلح جویانہ رویہ نہ رکھیں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تم ان کو گرفتار کرو اور قتل کرو جہاں کہیں پاؤ۔ یہ لوگ ہیں جن کے خلاف ہم نے تم کو کھلا اختیار دیا ہے۔ ۹۱

اور کسی مومن کے لیے روا نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے مگر یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے۔ اور جو کوئی کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کے ذمہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا اور خوں بہا ہے جو اس کے وارثوں کو دیا جائے الّا یہ کہ وہ معاف کر دیں۔ پس اگر مقتول تمہاری دشمن قوم کا فرد ہو لیکن وہ بذات خود مسلمان ہو تو ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہے۔ اور اگر وہ کسی ایسی قوم کا فرد ہے جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے تو خوں بہا بھی ہے جو اس کے وارثوں کو دیا جائے اور ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا بھی۔ جس کو یہ استطاعت نہ ہو تو وہ لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے۔ یہ اللہ

کی طرف سے ٹھہرائی ہوئی توبہ ہے۔ اللہ علیم و حکیم ہے۔ اور جو کوئی کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے گا تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر خدا کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے ایک عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔ ۹۲-۹۳

اے ایمان والو، جب تم خدا کی راہ میں نکلا کرو تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور جو تمھیں سلام کرے اس کو دنیوی زندگی کے سامان کی خاطر یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے۔ اللہ کے پاس بہت سامان غنیمت ہے۔ تمھارا حال بھی پہلے ایسا ہی رہ چکا ہے۔ اللہ نے تم پر فضل فرمایا تو تحقیق کر لیا کرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔ ۹۴-

مسلمانوں میں غیر معذور بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں۔ مال و جان سے جہاد کرنے والوں کو اللہ نے بیٹھ رہنے والوں پر ایک درجہ فضیلت کا بخشا ہے۔ یوں دونوں سے اللہ کا وعدہ اچھا ہے لیکن اللہ نے مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر ایک اجر عظیم کی فضیلت دی ہے۔ اس کی طرف سے درجے بھی اور مغفرت و رحمت بھی۔ اور اللہ غفور رحیم ہے۔ ۹۵-۹۶۔

جن لوگوں کی جان فرشتے اس حال میں قبض کریں گے کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھائے ہوئے ہیں وہ ان سے پوچھیں گے کہ تم کس حال میں پڑے رہے۔ وہ جواب دیں گے ہم تو اس ملک میں بالکل بے بس تھے۔ وہ کہیں گے کہ خدا کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ البتہ وہ بے بس مرد، عورتیں اور بچے جو نہ تو کوئی تدبیر کر سکتے اور نہ کوئی راہ پا رہے ہیں، یہ لوگ توقع ہے کہ اللہ ان سے درگزر فرمائے۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا اور

بخشنے والا ہے۔ اور جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بڑے ٹھکانے اور بڑی وسعت پائے گا اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلے گا پھر اس کو موت آجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے لازم ہو گیا اور اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ ۹۷—۱۰۰

۲۹۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ۝ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا (۸۶—۸۷)

'تحیت' کا مفہوم

حیاہ تحیۃ کے اصل معنی کسی کو زندگی کی دعا دینے کے ہیں۔ اسی سے دعائیہ کلمہ حیاک اللہ ہے جس کے معنی ہیں، اللہ تمھاری عمر دراز کرے۔ سلام اور اس کے ہم معنی دوسرے دعائیہ کلمات بھی چونکہ کم و بیش یہی یا اسی سے ملتے جلتے مفہوم اپنے اندر رکھتے ہیں اس وجہ سے لفظ کے عام مفہوم میں وہ سب اس کے اندر شامل ہو جاتے ہیں۔

اسلامی معاشرہ میں سلام کی اہمیت

ہر معاشرے میں کچھ ایسے دعائیہ کلمات مروج ہوتے ہیں جو معاشرے کے افراد آپس میں ملتے جلتے وقت ابتدائی تعارف، اظہارِ محبت و اعتماد، نشانِ اخوت و مودت اور علامتِ وحدتِ فکر و عقیدہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ معاشرتی اتصال و ارتباط کے نقطۂ نظر سے ان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ معاشرے کے افراد، خواہ ان کے اندر کتنی ہی دوری و بے گانگی ہو، آمنے سامنے ہوتے ہی ان کے واسطے سے اس طرح باہم ایک دوسرے سے جڑ جاتے ہیں گویا ان کے اندر کوئی اجنبیت و بیگانگی تھی ہی نہیں۔ عربوں میں اس مقصد کے لیے بہت سے الفاظ اور فقرے معروف تھے۔ مثلاً حیاک اللہ، اہلاً و سہلاً مرحبا، وغیرہ۔ سلام کا لفظ بھی معروف تھا۔ جب اسلامی معاشرہ ظہور میں آیا تو بجز ان کلمات کے جن میں شرک کی کوئی آلائش تھی باقی تمام پاکیزہ کلمات باقی رہے البتہ السلام علیکم کو ایک خاص اسلامی شعار کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ یہ کلمہ گویا مومن و کافر کے درمیان ایک علامتِ فارقہ بن گیا۔ جب ایک شخص نے دوسرے کے سامنے السلام علیکم کہہ دیا اور اس نے وعلیکم السلام سے اس کا جواب دے دیا تو گویا من و تو کا فرق اُٹھ گیا اور دونوں دو قالب و یک جان ہو گئے اور جواب نہ دیا تو اس کے معنی صرف یہی نہیں ہوتے تھے کہ اس نے اس کا سلام قبول نہیں کیا بلکہ اس کے معنی یہ بھی ہوتے تھے کہ اس نے اس کے اسلام کو بھی تسلیم نہیں کیا۔

کلمہ تحیت کی اس اہمیت کی وجہ سے اس موقع پر جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو، جیسا کہ ہم نے

اشارہ کیا، منافقین سے اعراض کی ہدایت ہوئی تو ساتھ ہی مسلمانوں کو یہ تنبیہ بھی کر دی گئی کہ جب کوئی شخص تمھیں سلام وتحیت سے مخاطب کرے تو اس کا اسلامی و معاشرتی حق یہ ہے کہ اس کے سلام وتحیت کا اس کو جواب دو، اس کا اعلیٰ طریقہ تو یہ ہے کہ اس سے بہتر طریقہ پر جواب دو، اگر یہ نہیں تو کم از کم اسی کے الفاظ اس کی طرف لوٹا دو۔ اس تنبیہ کی ضرورت اس لیے تھی کہ زیادہ پرجوش لوگوں کی طرف سے اس مرحلے میں منافقین کے ساتھ معاشرتی بائیکاٹ کی نوبت نہ آنے پائے۔ خاص طور پر اس کا یہ پہلو بہت نازک تھا کہ بعض حالات میں اس کی زد میں وہ لوگ بھی آسکتے تھے جو فی الحقیقت تو منافق نہ ہوتے لیکن زیادہ حساس لوگوں کو کسی سبب سے ان پر منافقت کا شبہ ہو جاتا۔

یہ پیچیدگی تو ان منافقین کے معاملے میں تھی جو دارالاسلام میں تھے۔ ان سے زیادہ پیچیدہ معاملہ ان مسلمانوں کا تھا جو دارالحرب میں تھے۔ ان مسلمانوں کے اندر بھی، جیسا کہ آگے آ رہا ہے، منافق اور مخلص دونوں ہی قسم کے تھے۔ قرآن نے اگرچہ ان کے درمیان امتیاز کے لیے نہایت واضح کسوٹیاں مقرر کر دیں تاہم اس کا اندیشہ باقی رہتا تھا کہ کوئی مخلص مسلمان مسلمانوں کی تلوار کی زد میں آ جائے، اس لیے مسلمانوں کو آگے آیت ۹۴ میں یہ ہدایت کی گئی کہ جس علاقے پر حملہ کرو اس کے مسلمانوں کے متعلق اچھی طرح معلومات حاصل کر لو، اگر کوئی تمھیں سلام کرے اور اس طرح تمھارے ساتھ اپنی دینی اخوت و مودت کا اظہار کرے تو بے تحقیق کیے اس کے مسلمان ہونے سے انکار نہ کرو۔

الغرض یہ سلام اور جواب سلام کا معاملہ کوئی رسمی حیثیت نہیں رکھتا تھا بلکہ اسلامی معاشرہ میں یہ وصل و فصل کی بنیاد تھا اس وجہ سے قرآن نے اہمیت کے ساتھ اس کو بیان فرمایا اور تنبیہ فرمائی کہ خدا ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے اور قیامت کے دن سب کو اپنے اعمال و اقوال کی جواب دہی کرنی ہے۔

'لَیَجۡمَعَنَّکُمۡ' کے بعد 'اِلٰی' کا صلہ، جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں اس اسلوب کی وضاحت کر چکے ہیں، اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں کوئی لفظ ہانکنے، دھکیلنے اور لے جانے کے معنی میں محذوف ہے۔

فَمَا لَكُمۡ فِى الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِئَتَيۡنِ وَاللّٰهُ اَرۡكَسَهُمۡ بِمَا كَسَبُوۡا ؕ اَتُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَهۡدُوۡا مَنۡ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِيۡلًا ۞ وَدُّوۡا لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَ كَمَا كَفَرُوۡا فَتَكُوۡنُوۡنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ اَوۡلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ وَجَدْتُّمُوۡهُمۡ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ۙ (۸۸-۸۹)

'فِئَتَیۡنِ' ضمیر مجرور سے حال پڑا ہوا ہے۔ مثلاً کہیں گے 'مالک قائماً'۔

'رَکَسَ الشَّیْءَ' کے معنی ہیں چیز کو الٹ دیا۔ 'اَرۡکَسَہٗ' اس کو اوندھا کر دیا۔ 'رکس الشیٔ' چیز کو اس کی

سابقہ حالت پر لوٹا دیا۔

دارالکفر کے مسلمانوں کے کفروایمان کے لیے کسوٹی ہجرت ہے

اب یہ ذکر ہو رہا ہے ان منافقین کا جو بلا کسی عذر معقول کے، محض اپنے رشتوں اور قرابتوں یا جائداد و املاک کی محبت میں ہجرت سے گریزاں اور مدینہ میں دارالاسلام قائم ہو جانے کے باوجود، اب تک بدستور دارالکفر یا دارالحرب میں پڑے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے پاس چونکہ کوئی عذر شرعی موجود نہیں تھا اس وجہ سے ان کا نفاق واضح تھا لیکن مسلمانوں میں سے کچھ لوگ، جو ان کے ساتھ رشتہ داریاں اور قرابتیں یا خاندانی اور قبائلی نسبتیں رکھتے تھے، ان کے معاملے میں بہت نرم تھے۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ ان کو نہ صرف ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے بلکہ ان کے ساتھ ربط ضبط بھی قائم رکھا جائے، آہستہ آہستہ یہ لوگ پیچھے اور پکے مسلمان بن جائیں گے۔ قرآن نے اس خیال کے لوگوں کو تنبیہ کی کہ جو لوگ اس طرز پر سوچ رہے ہیں، غلط سوچ رہے ہیں۔ اب یہ منافقین اسلام کی طرف بڑھنے والے نہیں ہیں، انھوں نے اسلام کی طرف جو قدم بڑھایا تھا، دنیا کی محبت میں انھوں نے اپنے اٹھائے ہوئے قدم کو پھر پیچھے ہٹا لیا جس کی سزا میں اللہ نے اپنی سنت کے مطابق ان کو پھر اسی کفر میں دھکیل دیا جس میں وہ پہلے تھے۔ جو لوگ خدا کے قانون اور اس کی سنت کی زد میں آ چکے ہوں وہ اب راہِ راست پر نہیں آ سکتے، کوئی لاکھ چاہے ان کو راہ ملنی ناممکن ہے۔ فرمایا کہ تم ان کی ہدایت کی توقع رکھتے ہو اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ تمھیں بھی اسی کفر میں واپس لے جانے کی آرزو رکھتے ہیں جس میں وہ خود ہیں اس وجہ سے جب تک وہ ہجرت نہ کریں اس وقت تک تم ان کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھو۔ یہ ہجرت ہی ان کے ایمان و اسلام کی کسوٹی ہے۔ اگر وہ اس سے گریز کرتے ہیں تو تم ان کو دشمن اور دشمنوں کا ساتھی سمجھو اور ان کو جہاں پاؤ گرفتار اور قتل کرو۔

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا (۹۰)

'حَصِرَ حَصَرًا' کے معنی عاجز ہونا، تنگ ہونا، بے ہمت ہونا۔ حصر الرجل ضاق صدرہ' اس کا سینہ تنگ ہوا، اس نے ہمت چھوڑ دی۔

'سَلَمٌ' کے معنی انقیاد و اطاعت اور حوالگی و سپردگی کے ہیں۔ 'القاء السلم' سے مراد کسی کے آگے سپر ڈال دینا، گھٹنے ٹیک دینا، سپر انداز ہونا اور اس سے صلح کی درخواست کرنا۔

مذکورہ بالا حکم کے بعض مستثنیات

اب یہ ان لوگوں کا حکم بیان ہو رہا ہے جو مذکورہ بالا اخذ و قتل کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ دو قسم کے لوگ ہیں۔

ایک وہ جو کسی ایسی قوم اور قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدۂ صلح ہے۔ ایسے لوگوں کی جان بخشی محض معاہدے کے احترام میں کی گئی۔ اس لیے کہ معاہدے کے قیام تک ان کے کسی فرد کو گرفتار یا قتل کرنا عہد شکنی ہوتی، عام اس سے کہ وہ کافر ہے یا منافق۔

دوسرے وہ لوگ جو اپنی کمزوری اور پست ہمتی کی وجہ سے مسلمانوں کے پاس غیر جانبداری کی درخواست لے کر آئیں، نہ وہ اپنی قوم اور قبیلے کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار ہوں اور نہ مسلمانوں میں شامل ہو کر اپنی قوم سے جنگ کے لیے آمادہ ہوں۔ ان کو مہلت دیے جانے کی یہ مصلحت واضح فرمائی کہ ایسے کمزور لوگوں کی طرف سے یہ غیر جانبداری کا رویہ بھی غنیمت ہے۔ آخر یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ اللہ ان کو جرأت دے دیتا تو یہ کھلم کھلا دشمن بن کر تم سے جنگ کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے تو جب تک یہ تم سے تعرض کرنے سے کنارہ کش رہیں، تم سے جنگ نہ کریں تمہارے ساتھ صلح جویانہ روش رکھیں تم بھی ان کے خلاف کوئی اقدام نہ کرو۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ (۹۱)

'فتنہ' سے مراد

'فتنۃ' کے لفظ پر ہم سورہ بقرہ کی تفسیر میں مفصل بحث کر چکے ہیں، یہاں اس سے مراد کفار کے وہ جارحانہ اور ظالمانہ اقدامات ہیں جو وہ مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے اور بزعم خویش اسلام کو مٹانے کے لیے کر رہے تھے۔

'سلطان' کا مفہوم

'سُلطان' کا لفظ قرآن میں دلیل و حجت کے معنی میں بھی آیا ہے اور اختیار و اقتدار کے معنی میں بھی۔ اس دوسرے معنی کے لیے بھی متعدد نظیریں موجود ہیں مثلاً مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۲۲ ابراہیم (مجھے تم پر کوئی اختیار حاصل نہیں تھا) وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا ۳۳ اسراء (جو مظلومانہ قتل کیا گیا تو ہم نے اس کے وارث کے لیے قاتل پر اختیار بخشا)

غیر جانبداری کے جھوٹے دعویداروں کا حکم

یہ ان جھوٹے غیر جانبداروں کی طرف اشارہ ہے جو اسلام کا دعویٰ کر کے مسلمانوں کے خطرے سے بھی اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے اور اپنی قوم کے اندر شامل رہ کر اس سے بھی مامون رہنا چاہتے تھے۔ یہ لوگ بظاہر تو غیر جانبداری کے مدعی تھے لیکن یہ غیر جانبداری محض نمائشی

تھی۔ جب ان پر ان کی قوم کا دباؤ پڑ جاتا یہ ان شرارتوں میں شریک ہو جاتے جو وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کرنا چاہتی۔ ان لوگوں کی بابت فرمایا کہ یہ لوگ اس رعایت کے مستحق نہیں ہیں جو مذکورہ بالا جماعت کے لیے بیان ہوئی ہے۔ بلکہ یہ بھی کھلے ہوئے دشمنوں ہی کے حکم میں داخل ہیں۔ اگر یہ تمہاری مخالفت نہ چھوڑیں، تمہارے ساتھ صلح جویانہ رویہ نہ اختیار کریں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو تم جہاں کہیں پاؤ ان کو گرفتار اور قتل کرو، ان کو گرفتار کرنے اور ان کے قتل کرنے کا خدا نے تم کو کھلا ہوا اختیار بخشا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۚ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (۹۲-۹۳)

دارالحرب کے مخلص مسلمانوں کی جان کا تحفظ

اوپر جو احکام بیان ہوئے ہیں اگرچہ اہلِ ایمان اور منافقین کے درمیان التباس رفع کر دینے کے لیے کافی تھے لیکن کفار کے علاقوں میں بہت سے مخلص مسلمان بھی تھے جو خود تو ہجرت کے دل سے آرزومند تھے لیکن مجبوریوں نے ان کی راہ روک رکھی تھی۔ جنگ پیش آجانے کی صورت میں اندیشہ تھا کہ مبادا ان کو خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں کوئی گزند پہنچ جائے۔ اس وجہ سے قرآن نے قتل مومن کے جرم کی سنگینی بھی واضح فرما دی اور اس سلسلے میں ایسے واضح احکام بھی دے دیے جن کے بعد کسی خدا ترس مسلمان کے لیے اس معاملے میں کسی بے احتیاطی و سہل انگاری کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

پہلے فرمایا کہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے، غلطی سے یہ فعل صادر ہو جائے تو اس کی بات دوسری ہے۔ غلطی کی صورت میں بھی لازم ہے کہ جس سے یہ غلطی صادر ہوئی ہے وہ ایک مسلمان غلام کو آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو اس کا خوں بہا ادا کرے الا آنکہ وارثانِ مقتول خون بہا معاف کر دیں۔

پھر اس اجمال کی وضاحت فرمائی کہ اگر مقتول مسلمان، دشمن قوم یا قبیلہ کا فرد ہو تب تو ایک مسلمان غلام کا آزاد کر دینا ہی کافی ہے۔ لیکن اس کا تعلق اگر معاہد قوم اور قبیلے سے ہے تو اس صورت میں خوں بہا ادا کرنا بھی ضروری ہوگا اور ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا بھی۔ اگر کوئی شخص غلام آزاد کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس صورت میں اس کو لگاتار دو ماہ کے روزے رکھنے

ہوں گے۔ فرمایا کہ یہ اللہ کی مشروع کی ہوئی توبہ ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے۔

قتلِ عمد کے جرم کی سنگینی

قتلِ خطا کے احکام بیان کرنے کے بعد قتلِ عمد کے بارے میں فرمایا کہ جو مسلمان کسی مسلمان کو عمداً قتل کرے گا اس کی سزا جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر خدا کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اس کے لیے عذاب دردناک خدا نے تیار کر رکھا ہے۔

یہاں قتلِ عمد کے جرم کی جو سزا بیان ہوئی ہے وہ بعینہٖ وہی سزا ہے جو کفر کا فروں کے لیے قرآن میں بیان ہوئی ہے۔ اس آیت کو پڑھ کر ہر مسلمان کا دل لرز اٹھتا ہے۔ اس سزا کی سنگینی کی علت سمجھنے کے لیے اس امر کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر سب سے بڑا حق اس کی جان کا احترام ہے، کوئی مسلمان اگر دوسرے مسلمان کی جان لے لیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ حقوق العباد میں سے اس نے سب سے بڑے حق کو تلف کیا جس کی تلافی و اصلاح کی بھی اب کوئی شکل باقی نہیں رہی اس لیے کہ جس شخص کے حق کو اس نے تلف کیا وہ دنیا سے رخصت ہو چکا اور حقوق العباد کی اصلاح کے لیے تلافی مافات ناگزیر ہے پھر اس کا ایک اور پہلو بھی بڑا اہم ہے، وہ یہ کہ یہ ایک ایسے مسلمان کے قتل کا معاملہ ہے جو دارالکفر اور دارالحرب میں گھرے ہوئے ہونے کی وجہ سے اسلامی شریعت کے ان تحفظات سے بھی محروم تھا جو دارالاسلام میں ایک مسلمان کو حاصل ہوتی ہیں۔ اپنے دین اور اپنے نفس کے معاملے میں اس کو اگر کسی سے خیر کی امید ہو سکتی تھی تو وہ مسلمانوں ہی سے ہو سکتی تھی۔ اب اگر کوئی مسلمان ہی اس کو قتل کر دے اور وہ بھی عمداً اور ایسی جگہ پر جہاں اس کو اسلامی قانون کی حفاظت بھی حاصل نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ نہ ایسے مقتول سے بڑھ کر کوئی مظلوم ہو سکتا ہے اور نہ ایسے قاتل سے بڑھ کر کوئی ظالم!

عرف پر مبنی احکام حالات کی تبدیلی سے متغیر ہوتے ہیں

خوں بہا کے مسئلے کے بعض پہلوؤں پر ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بھی گفتگو کر چکے ہیں۔ اسلام نے اس معاملے میں عرب کے معروف کو قانون کی حیثیت دے دی تھی۔ اور یہ بات ہم دوسرے مقام میں لکھ چکے ہیں کہ جن معاملات کا تعلق معروف سے ہو وہ زمانہ اور حالات کے تغیر سے اپنے اصل مقصد کو باقی رکھتے ہوئے متغیر ہو جاتے ہیں۔ مثلاً خوں بہا میں اونٹوں اور بکریوں کی جگہ نقد بھی دیا جا سکتا ہے اور نقد کی مقدار بھی معاشی حالات کی تبدیلی سے تبدیل ہو سکتی ہے۔ اس تغیر کی نوعیت کو طے کرنا اربابِ اجتہاد کا کام ہے اور سلف کے اجتہادات کی نظیریں اس باب میں موجود ہیں۔

غلام کا بدل

زیرِ بحث آیت میں توبہ کے طور پر غلام آزاد کرنے کا حکم بھی ہے۔ اس زمانے میں چونکہ غلامی ختم ہو چکی ہے اور یہ بات ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ اس کا ختم ہونا

عین منشائے اسلام کے مطابق ہوا ہے اسی وجہ سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانے میں وہ شخص کیا کرے جو غلام آزاد کرنے کی مقدرت تو رکھتا ہو لیکن غلام میسر نہیں ہیں اور شریعت نے اس کا کوئی بدل بھی معین نہیں فرمایا ہے۔ ہمارے نزدیک اس زمانے میں اس کا بدل صدقہ ہے جو غلام کی قیمت کے تناسب سے ہو اور اگر یہ صدقہ غریب و نادار مسلمانوں کے قرضوں کی ادائگی اور ان کے رہن شدہ مکانوں اور سامانوں کے چھڑانے پر صرف کیا جائے تو انشاء اللہ یہ طریقہ شریعت کے منشا کے خلاف نہ ہوگا۔

توبہ کی تاکید اور اس کے مؤیدات

'تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا' کا ٹکڑا بھی خاص طور پر قابل غور ہے۔ ہم دوسرے مقام میں لکھ چکے ہیں کہ جب مفعول اس طرح فعل کے بغیر آئے تو اس پر خاص تاکید اور عزم کے ساتھ زور دینا مقصود ہوتا ہے۔ یہاں خوں بہا کے ساتھ ساتھ ایک غلام آزاد کرنے اور غلام آزاد کرنے کی مقدرت نہ ہونے کی صورت میں مسلسل دو مہینے کے روزے رکھنے کی جو ہدایت ہوئی تو اس پر خاص تاکید کے ساتھ زور دیا کہ یہ خدائے علیم و حکیم کی طرف سے مقرر کردہ توبہ ہے، نہ کوئی اس کو شاق سمجھے، نہ اس کی خلاف ورزی کرے۔ قتل مومن، غلطی ہی سے سہی، عظیم گناہ ہے۔ اس گناہ کو دھونے کے لیے صرف خوں بہا کافی نہیں ہے بلکہ غلام بھی آزاد کیا جائے اور اگر اس کی مقدرت نہ ہو تو لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے جائیں تاکہ دل پر سے ہر داغ اس گناہ کا دھل جائے۔ گویا ایسے سنگین معاملے میں زبانی توبہ کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ اس کے مؤیدات بھی ہونے ضروری ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (۹۴)

دارالحرب کے مسلمانوں کے تحفظ کے لیے مزید اہتمام

دارالحرب میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کے تحفظ ہی کے پہلو سے مزید ہدایت یہ ہوئی کہ جب کسی علاقے پر حملہ کے لیے نکلو تو اس علاقے کے اندر جو مسلمان ہوں ان کے متعلق پوری تحقیق کر لو کہ مسلمان کہاں کہاں اور کس حال میں ہیں تاکہ تمہارے حملے سے وہ محفوظ رہیں۔ مزید ارشاد ہوا کہ اگر کوئی مسلمان اپنے ایمان کی شہادت کے لیے تمہیں سلام کرے تو مال غنیمت کی طمع میں اس کے ایمان کا انکار نہ کرو۔ مال غنیمت کے طالبوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ خدا کے پاس غنیمت کے بڑے ذخیرے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ بات بھولنی نہیں چاہیے کہ کل تک یہی حال تمہارا بھی رہ چکا ہے۔ تم بھی انہی مظلوموں کی طرح کفار کے

حصار میں گھرے ہوئے تھے۔ اب اللہ نے تمھیں دارالاسلام کی آزاد اور کھلی ہوئی فضا نصیب کی ہے تو تمھیں کسی احساس برتری میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اچھی طرح تحقیق کر کے اقدام کرنا چاہیے۔ اگر کسی نے اس معاملے میں بے پروائی اور سہل انگاری کو راہ دی یا مالِ غنیمت کی طمع میں کسی مسلمان کو قتل کر دیا تو یاد رکھو کہ خدا تمھارے ہر عمل سے باخبر ہے۔

مومن کی جان کے احترام کی آخری حد یہی ہو سکتی ہے جو اس آیت سے ظاہر ہوتی ہے۔ دارالحرب میں عین دورانِ جنگ میں بھی اگر ایک شخص اپنے ایمان کے اظہار کے لیے سلام کر دے یا کلمہ پڑھ دے تو مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ بغیر تحقیق کے اس کے خلاف تلوار اٹھائے۔ جنگ کے ہنگامی حالات میں اس طرح کی تحقیق اگرچہ نہایت مشکل کام ہے اور یہ اندیشہ بھی ہے کہ اس سے دشمن فائدہ اٹھائے لیکن اسلامی غزوات میں اس ہدایت کی پوری پابندی کی گئی۔ ایک غزوہ میں ایک صحابیؓ سے اس معاملے میں بے احتیاطی ہو گئی تو حضورؐ نے اس طرح اس پر تنبیہ فرمائی کہ سننے والوں کے دل دہل گئے۔ اصل یہ ہے کہ اسلامی غزوات کا اصل مقصود فتوحات حاصل کرنا اور مال غنیمت جمع کرنا نہیں تھا بلکہ، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے، مظلوم مسلمانوں کو کفار کے پنجہ سے چھڑانا تھا۔ جب اصل مقصد یہ تھا تو اس کے لیے تو ہر خطرہ گوارا کیا جا سکتا تھا لیکن یہ بات کس طرح گوارا کی جا سکتی تھی کہ کسی مسلمان کی جان خطرے میں پڑے۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَي الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰي ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَي الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (۹۵-۹۶)

جہاد کی ترغیب

اب یہ تمام غیر معذور مسلمانوں کو جہاد پر ابھار رہا ہے۔ گویا آیت ۷۱ میں جہاں سے بات چلی تھی اور پھر جہاد سے جان چرانے والوں کا ذکر آ گیا تھا، کلام پھر اسی طرف لوٹ آیا۔ فرمایا کہ جن مسلمانوں کے پاس کوئی معقول عذر نہیں ہے، پھر بھی وہ جہاد کے لیے نہیں اٹھ رہے ہیں انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ وہ خدا کے ہاں اجر کے لحاظ سے ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکیں گے جو آج خدا کی راہ میں جان و مال دونوں سے جہاد کر رہے ہیں۔ اگرچہ اس اعتبار سے دونوں گروہ اللہ کے ہاں اچھے اجر کے مستحق ہیں کہ دونوں اسلام کے مخلص ہیں، ان

میں سے منافق اور اسلام کا بدخواہ کوئی بھی نہیں ہے تاہم مجاہدین کا درجہ اللہ کے ہاں بہت اونچا ہے۔ ان کے لیے خدا کے ہاں اجر عظیم ہے۔

اس آیت نے جہاد کی ترغیب و تشویق کے ساتھ یہ بات بھی واضح فرما دی کہ اگرچہ وہ مسلمان جو بغیر کسی عذر و مجبوری کے جہاد میں عملاً حصّہ نہیں لے رہے ہیں درجے اور مرتبے میں ان مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو عملاً جہاد میں حصّہ لے رہے ہیں، ان کے درجے خدا کے ہاں بہت بلند ہیں تاہم جہاد میں حصّہ نہ لینے کی وجہ سے یہ منافق نہیں سمجھے جا سکتے۔ اس لیے کہ جہاد میں عملاً حصّہ نہ لینا اس صورت میں نفاق ہے جب آدمی اس سے جی چرائے، دوسروں کی ہمت پست کرے یا جہاد کی نفیرِ عام ہو جانے کے باوجود گھر میں بیٹھا رہے۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو جہاد ایک فضیلت ضرور ہے جس کے حاصل کرنے کا جذبہ ہر شخص کے اندر ہونا چاہیے لیکن اس کی حیثیت ایک درجۂ فضیلت ہی کی ہے، یہ شرائطِ ایمان میں سے نہیں ہے کہ جو اس کو حاصل نہ کرے وہ منافق خیال کیا جائے۔ 'وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى' کے الفاظ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ اس تنبیہ کی ضرورت اس وجہ سے تھی کہ اوپر منافقین کو اس جہاد ہی کے معاملے میں جس طرح ملامت کی گئی ہے اور ان سے مسلمانوں کو جس طرح متنبہ رہنے کی ہدایت کی گئی ہے اس سے بعض لوگوں کے اندر یہ تاثر پیدا ہو سکتا تھا کہ ان مخلص مسلمانوں کے بارے میں بھی ان کا زاویۂ نگاہ بدل جاتا جو نہایت سچے مسلمان تھے لیکن اب تک جہاد میں حصہ نہیں لے سکے تھے۔ اس آیت نے ایک طرف تو ان کو جہاد پر ابھارا، دوسری طرف یہ واضح کر دیا کہ یہ مخلص مسلمان ہیں، ان کے اخلاص کے بارے میں کسی کو بدگمانی نہیں ہونی چاہیے، اللہ کے ہاں ان کے درجے اور مرتبے کے لحاظ سے ان کے لیے بھی اجر ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيرًا ۝ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَّلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ۝ فَأُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُورًا ۝ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيرًا وَّسَعَةً ۚ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (۹۷-۱۰۰)

جمع کے استعمال کا ایک خاص قرینہ

'تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ' میں لفظ 'مَلٰٓئِكَةُ' اسی طرح جمع آیا ہے جس طرح آلِ عمران کی آیات ۳۹، ۴۲ اور ۴۵ میں آیا ہے۔ وہاں 'فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ' کے تحت ہم اس کے جمع لانے کی وجہ بیان کر چکے ہیں۔ بعض مرتبہ جمع سے مقصود صرف جنس کا اظہار ہوتا ہے۔

'ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ' حال ہے۔ اپنی جانوں پر ظلم سے مقصود یہاں ہجرت کی استطاعت کے باوجود دارالکفر میں پڑے رہنا اور اس طرح اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالنا ہے۔

سوال بطور زجر و توبیخ

'فِیْمَ كُنْتُمْ' (تم کہاں پڑے رہے) یہ سوال زجر و توبیخ کی نوعیت کا ہے۔

'مُرٰغَمًا' کے معنی ایسی جگہ کے ہیں جہاں انسان نکل کے جا سکے۔

'مُسْتَضْعَفٌ' کے معنی ہیں بے بس، مجبور، دبا ہوا، زیر دست۔

تمام غیر معذور مسلمانوں کو ہجرت کا حکم

اب ان تمام غیر معذور مسلمانوں کو جو اب تک دار الحرب میں پڑے ہوئے تھے، ہجرت پر ابھارا ہے اور یہ گویا ان کے لیے آخری تنبیہ ہے۔ اس کی تمہید اس طرح اٹھائی ہے کہ جو لوگ اسلام کا دعویٰ کرنے کے باوجود بلا کسی شدید مجبوری و عذر شرعی کے اب تک دارالکفر میں پڑے ہوئے ہیں، اسی حالت میں ان کی موت آئی تو فرشتے ان سے سوال کریں گے کہ یہ تم کس حال میں پڑے رہے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہم تو بے بس و مجبور تھے۔ فرشتے جواب دیں گے، کیا خدا کی زمین میں تمہارے لیے کہیں سمائی نہیں تھی کہ تم وہاں ہجرت کر جاتے۔ پھر فرمایا کہ ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ نہایت بُرا ٹھکانا ہے۔

اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو حقیقۃً بے بس اور معذور ہیں۔ فرمایا، خدا کے ہاں معذور صرف وہ مرد، عورتیں اور بچے قرار پائیں گے جو نہ تو کوئی تدبیر کر سکنے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ ان کے لیے کوئی راہ کھل رہی ہے، یہ لوگ امید ہے کہ اللہ ان سے درگزر فرمائے گا۔

اس کے بعد ہجرت کی راہ میں کمر ہمت باندھ کر اٹھ کھڑے ہونے والوں کی حوصلہ افزائی فرمائی کہ جو اللہ کی راہ میں ہجرت کے لیے اُٹھ کھڑا ہوگا وہ خدا کی زمین میں بہت ٹھکانے اور بڑی وسعت پائے گا۔

آخر میں یہ اطمینان بھی دلا دیا کہ ہجرت کے اجر عظیم کے لیے یہ ضروری نہیں کہ آدمی دارالہجرت میں پہنچ ہی جائے بلکہ صرف یہ کافی ہے کہ اللہ و رسول کی طرف ہجرت کے ارادے سے آدمی گھر سے نکل کھڑا ہو۔ جو گھر سے نکل کھڑا ہوا اگر فوراً ہی اس کی موت آ گئی یا وہ قتل کر دیا گیا تو اس سے اس کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اللہ کے اوپر اس کا اجر لازم ہو گیا۔

ان آیات سے ہجرت کے متعلق مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں۔

ہجرت سے متعلق بعض حقائق

ایک یہ کہ ہر نقل مکانی ہجرت نہیں ہے۔ ہجرت یہ ہے کہ مسلمان ایک ایسے مقام کو جہاں اس کے لیے اپنے دین و ایمان پر قائم رہنا جان جوکھوں کا کام بن گیا ہو، چھوڑ کر ایک ایسے مقام کو منتقل ہو جائے جہاں اسے توقع ہو کہ وہ اپنے ایمان کی حفاظت کر سکے گا۔

دوسرا یہ کہ اگر دارالاسلام موجود ہو، اس کی طرف ہجرت کی راہ باز ہو، کوئی سخت مجبوری بھی نہ ہو تو ایسے مقام سے ہجرت کر کے دارالاسلام میں منتقل ہو جانا واجب ہے ورنہ ایسے شخص کا ایمان معتبر نہیں۔

تیسرا یہ کہ ہجرت کے معاملے میں ہر عذر، عذر نہیں ہے، معتبر عذر یہ ہے کہ آدمی اتنا بے بس ہو کہ نہ اس سے خود کوئی تدبیر بن آرہی ہو نہ اس کے لیے کوئی راہ کھل رہی ہو۔ ایسی مجبوری میں بھی اس پر اپنے ایمان کی حفاظت بہرحال لازم ہے۔ اگرچہ اس کو اصحاب کہف کی طرح کسی غار ہی میں پناہ لینی پڑ جائے۔

چوتھا یہ کہ ہجرت کا اجر آخرت میں تو جو ہے وہ ہے، دنیا میں بھی مہاجر کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص بدرقہ فراہم ہوتا ہے۔ خدا کی زمین اس کے لیے راہیں کھولتی ہے اور غیب سے اس کے لیے اسباب و سامان فراہم ہوتے ہیں۔

پانچویں یہ کہ اس راہ میں پہلا قدم بھی منزل کی حیثیت رکھتا ہے۔ نیت خالص اور ارادہ راسخ ہو تو گھر سے نکلتے ہی مہاجر کو موت آجائے تو ہجرت کا اجر اس کے لیے لازم ہو گیا۔

۳۰۔ آگے کا مضمون ——— آیات ۱۰۱-۱۰۴

آگے صلوٰۃ الخوف یعنی جنگ کے خطرات کے دوران نماز باجماعت کی شکل بتائی گئی ہے۔ جہاد کے اس ذکر کے ساتھ نماز، بالخصوص نماز باجماعت، کے اس اہتمام سے کئی حقیقتیں سامنے آتی ہیں جن میں سے بعض کی طرف ہم اشارہ کریں گے۔

جہاد کی اصل روح نماز ہے

پہلی یہ کہ اس سے نماز کی دین میں عظمت و اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اس سورہ کی آیت ۷۷ کے تحت نماز اور جہاد کے باہمی ظاہری و باطنی تعلق پر ہم گفتگو کر چکے ہیں۔ یہاں یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ نماز وہ چیز ہے کہ جنگ کے خطرات کے اندر بھی یہ نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں جنگ، خونریزی اور لوٹ مار کے لیے نہیں ہے بلکہ جیسا کہ دوسرے مقامات میں واضح ہو چکا ہے، اس لیے ہے کہ خدا کی زمین سے اس ظلم و جبر کا خاتمہ کیا جائے جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی بندگی سے روکنے کے لیے اللہ کے دشمنوں کی طرف سے برپا کیا جاتا ہے۔ اس پہلو سے غور کیجیے تو جہاد کی اصل روح نماز ہی ہے۔ اسی سے جہاد، اللہ کی عبادت بنتا ہے۔ اگر اس کے اندر یہ روح نہ ہو تو یہ بھی اسی طرح فساد فی الارض ہے جس طرح اللہ کے باغیوں کی ہر جنگ فساد فی الارض ہے۔ اس روح کے تحفظ کا یہ لازمی تقاضا ہے کہ عین میدان جنگ میں بھی تا حد امکان نماز سے غفلت نہ ہو تاکہ ہر مجاہد کو اس حقیقت کی یاد دہانی ہوتی رہے کہ اس کی میدانِ جنگ کی صفیں بھی اپنے اصل مقصد کے لحاظ سے اس کی نماز کی صفوں سے مختلف نہیں ہیں۔

نماز باجماعت کی اہمیت

دوسری یہ کہ اس سے نماز باجماعت کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت ۲۳۹ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا الآیۃ کے تحت یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ لڑائی کے دوران میں حالات بہت پرخطر ہوں،

نماز اس کے آداب کے مطابق ادا کرنی ممکن نہ ہو تو سوار، پیادہ، کھڑے، بیٹھے، چلتے، بھاگتے جس طرح ممکن ہو ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہاں تک کہ قبلہ رُو ہونے کی پابندی بھی ضروری نہیں ہے لیکن ان سب رخصتوں کے ساتھ زیر بحث آیات سے یہ حقیقت بھی واضح ہو رہی ہے کہ اگر نماز با جماعت کا اہتمام ممکن ہو تو میدانِ جنگ میں بھی اس کا اہتمام باقی رکھا جائے چنانچہ اس کے لیے قرآن نے ایک ایسی شکل بیان فرمائی ہے جس سے نماز با جماعت کا مقصد بھی حاصل ہوتا ہے اور دفاع کا بھی۔

دفاع کی اہمیت

تیسری یہ کہ اس سے دفاع کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اول تو یہی بات، اس کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے نماز جیسی اہم عبادت میں تخفیف فرمادی[ے] دوسری یہ کہ نماز کی جو شکل بیان فرمائی ہے اس میں اس امر کا پورا اہتمام ملحوظ ہے کہ دشمن کو اس سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں پر حملہ کردینے کا کوئی موقع نہ ملے۔ گویا اس مضمونِ جہاد کے آغاز میں مسلمانوں کو خُذُوا حِذْرَكُمْ (اپنے سامان دفاع سے لیس رہو) کا جو حکم دیا تھا تو اس کا اہتمام نماز میں بھی پوری طرح قائم رکھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دینِ فطرت میں توکل اور تدبیر، شجاعت اور حکمت، تہور اور احتیاط کا کیسا معتدل اور حسین امتزاج ہے کہ نماز بھی جہاد بن جاتی ہے۔

پیغمبر صلعم کے اقتداء کی اہمیت

چوتھی یہ کہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کے جذبے اور اس کی اہمیت کا اظہار ہوتا ہے۔ آگے ہم واضح کریں گے کہ نماز کی یہ خاص شکل جو یہاں بیان ہوئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ میدانِ جنگ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کی صورت میں صحابہؓ کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ حضورؐ نماز باجماعت کی امامت کرائیں اور کوئی مسلمان اس جماعت کی شرکت سے محروم رہنے پر راضی ہو۔ صحابہ کا یہ جذبہ چونکہ فطری تھا اور دین میں اس جذبے کی اہمیت بالکل واضح ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نماز کی ایک ایسی شکل بیان فرمادی جس سے اس جذبے کی حوصلہ افزائی بھی ہو اور دفاع کے مقصد کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچے —— اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمائیے۔

آیات ۱۰۱-۱۰۴

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكٰفِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿۱۰۱﴾ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ

[ے] یہ امر ملحوظ رہے کہ نماز میں قصر کی رخصت اصلاً سفر جہاد کے تعلق ہی سے نازل ہوئی ہے۔ دوسرے سفروں میں اس کی حیثیت اصل کی نہیں بلکہ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد سے واضح ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک صدقے کی سی ہے۔ ہم اس پر آگے بحث کریں گے۔

فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۚ فَاِذَا سَجَدُوْا
فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا
مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ
تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ
وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى
اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ
عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ
قُعُوْدًا وَّعَلٰي جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ
كَانَتْ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاۗءِ الْقَوْمِ ۭ
اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّھُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ
اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِــيْمًا حَكِــيْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع ۱۵ / ۱۲

ترجمہ آیات ۱۰۱-۱۰۴

اور جب تم سفر میں نکلو تو اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ نمازیں قصر کرو۔ اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ کافر تمھیں فتنہ میں ڈال دیں گے۔ بے شک یہ کفار تمھارے کھلے ہوئے دشمن ہیں۔ ۱۰۱

اور جب تم ان کے درمیان موجود ہو اور نماز میں ان کی امامت کر رہے ہو تو چاہیئے کہ ان میں سے ایک گروہ تمھارے ساتھ کھڑا ہو اور وہ اپنے ہتھیار لیے ہوئے ہو، پس جب وہ سجدہ کر چکیں تو وہ تمھارے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ آگے آئے جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے اور وہ تمھارے ساتھ نماز پڑھے اور یہ بھی اپنی حفاظت کا سامان اور اپنے اسلحہ لیے ہوئے ہوں۔ کافر یہ تمنا رکھتے ہیں کہ تم اپنے اسلحہ اور اپنے سامان سے

ذرا غافل ہو تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں اور اس بات میں تمھارے اوپر کوئی گناہ نہیں کہ اگر تمھیں بارش کے سبب سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے اسلحہ اتار دو البتہ اپنی حفاظت کا سامان لیے رہو۔ اللہ نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ۱۰۲

پس جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے۔ پس جب حالتِ اطمینان میں ہو جاؤ تو پوری نماز قائم کرو۔ بے شک نماز اہلِ ایمان پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض ہے۔ ۱۰۳

اور دشمن کے تعاقب میں تھڑدلا پن نہ دکھاؤ۔ اگر تم دکھ اٹھاتے ہو تو آخر وہ بھی تو تمھاری ہی طرح دکھ اٹھاتے ہیں اور تم خدا سے وہ توقع رکھتے ہو جو توقع وہ نہیں رکھتے اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔ ۱۰۴

۳۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكٰفِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا (۱۰۱)

نماز میں قصر کی اجازت دفاع کے تعلق سے

اوپر ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ نماز میں قصر کی یہ اجازت خُذُوا حِذْرَكُمْ کے حکم کے تعلق سے نازل ہوئی۔ جب حکم ہوا کہ اپنے سامانِ دفاع سے لیس اور کفار کے مقابلے کے لیے مستعد رہو تو یہ سوال آپ سے آپ پیدا ہوا کہ اس حکم میں اور نماز میں تطبیق کی کیا صورت ہوگی، کیونکہ نماز کی حالت میں دفاع کے لوازم پورے نہیں ہو سکتے۔ اس کے لیے ایک تو نماز میں قصر کی اجازت ہوئی اور آگے کی آیات میں نماز باجماعت اور بیماری اور بارش وغیرہ کے حالات میں جو شکلیں اختیار کی جانی چاہئیں وہ بیان ہوئیں۔

قصر کی شکل جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے عملی تواتر سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جو نمازیں چار رکعت والی ہیں وہ دو رکعت پڑھی جائیں، مغرب اور فجر میں قصر نہیں ہے۔

قصر کی اجازت ایک رخصت ہے

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ کے الفاظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ قصر کی اجازت ایک قسم کی رخصت ہے۔ رخصتوں کے متعلق سورہ بقرہ کی تفسیر میں، ایک مستقل فصل میں، ہم واضح کر چکے ہیں کہ ان سے فائدہ اٹھانے

کو تقویٰ کے خلاف سمجھنا دین میں تشدد اور غلو کے رجحان کی غمازی کرتا ہے جس کو قرآن و حدیث، دونوں میں مذموم ٹھہرایا گیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بات بھی غلو سے خالی نہیں قرار دی جا سکتی کہ کسی رخصت، کو عزیمت اور وجوب کا درجہ دے دیا جائے یہاں تک کہ اس کی خلاف ورزی سے گناہ لازم آئے۔ اس باب میں تفصیل کے طالب مذکورہ فصل پر ضرور ایک نظر ڈال لیں۔

قصر کی اجازت سفر جہاد ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے

قصر کی یہ اجازت۔ اس میں شبہ نہیں ہے کہ نازل تو ہوئی ہے سفر جہاد ہی کے تعلق سے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ بس سفر جہاد ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ سفر کوئی بھی ہو اس میں فی الجملہ بے اطمینانی، آپا دھاپی اور سر و سامان کی فکر ہوتی ہی ہے۔ بس یہ فرق ہوتا ہے کہ کسی میں کم کسی میں زیادہ۔ یہ عین ممکن ہے کہ جہاد کا ایک سفر زیادہ اطمینان سے گزر جائے اور تجارت۔ یا حج کے سفر میں زیادہ الجھنیں پیش آ جائیں۔ اس اشتراک علت کی وجہ سے دوسرے سفر بھی اصلاً نہ سہی تبعاً اسی حکم میں داخل ہیں۔ چنانچہ اسی بنیاد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے قسم کے سفروں میں بھی قصر کی اجازت دی۔ خود بھی اس پر عمل فرمایا اور صحابہ نے بھی اس پر عمل کیا۔

یہ بات بھی یہاں ملحوظ رکھنے کی ہے کہ الفاظ یہاں وَاِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِی الۡاَرۡضِ (جب تم سفر میں نکلو) کے استعمال ہوئے ہیں جو ہر سفر کے لیے عام ہیں۔ اس میں سفر جہاد کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ جہاد کے سفر کے لیے خاص لفظ اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ (جب تم اللہ کی راہ میں نکلو) کا ہے جو آیت ۹۴ میں گزر چکا ہے۔ اس وجہ سے الفاظ کا تقاضا یہی ہے کہ قصر کی اجازت ہر سفر کے لیے عام ہو۔ رہی اس کے بعد اِنۡ خِفۡتُمۡ کی شرط تو وہ صرف آیت کے موقع نزول کے اعتبار سے اس علت کو ظاہر کر رہی ہے جس کے سبب سے یہ اجازت مرحمت ہوئی۔ اس سے یہ بات تو ضرور نکلتی ہے کہ یہ رخصت بہرحال رخصت ہے جو حالات کے تابع ہے لیکن یہ بات نہیں نکلتی کہ یہ سفر جہاد ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ تقریباً یہی صورت تعدد ازواج والے مسئلے میں بھی ہے جس کی بحث سورہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔ اس پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔

وَاِذَا كُنۡتَ فِيۡهِمۡ فَاَقَمۡتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلۡتَقُمۡ طَآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ مَّعَكَ وَلۡيَاۡخُذُوۡۤا اَسۡلِحَتَهُمۡ فَاِذَا سَجَدُوۡا فَلۡيَكُوۡنُوۡا مِنۡ وَّرَآئِكُمۡ وَلۡتَاۡتِ طَآئِفَةٌ اُخۡرٰى لَمۡ يُصَلُّوۡا فَلۡيُصَلُّوۡا مَعَكَ وَلۡيَاۡخُذُوۡا حِذۡرَهُمۡ وَاَسۡلِحَتَهُمۡ ۚ وَدَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَوۡ تَغۡفُلُوۡنَ عَنۡ اَسۡلِحَتِكُمۡ وَاَمۡتِعَتِكُمۡ فَيَمِيۡلُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ مَّيۡلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ اِنۡ كَانَ بِكُمۡ اَذًى مِّنۡ مَّطَرٍ اَوۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤى اَنۡ تَضَعُوۡۤا اَسۡلِحَتَكُمۡ ۚ وَخُذُوۡا حِذۡرَكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا مُّهِيۡنًا (۱۰۲)

'حِذْر' کا مفہوم

لفظ حِذۡر پر آیت ۷۱ کے تحت گفتگو ہو چکی ہے۔ یہ لفظ جب تنہا استعمال ہو تو اس سے ہر قسم کے اسلحہ مراد ہو سکتے ہیں، خواہ مجرد دفاعی و حفاظتی نوعیت کے ہوں مثلاً سپر، خود اور زرہ وغیرہ یا جارحانہ نوعیت

کے ہوں مثلاً تلوار اور بندوق وغیرہ۔ لیکن جب لفظ اسلحہ، کے ساتھ استعمال ہو، جیسا کہ زیر بحث آیت میں ہے اَنۡ تَضَعُوۡۤا اَسۡلِحَتَکُمۡ وَخُذُوۡا حِذۡرَکُمۡ (اپنے اسلحہ رکھ دو اور اپنے احتیاطی و حفاظتی سامان لیے رہو) تو اس سے مراد صرف وہی چیزیں ہوں گی جن کو ایک سپاہی اپنے دشمن سے بچاؤ کے لیے استعمال کرتا ہے۔

دفاع اور نماز باجماعت کے تقاضوں میں تطبیق جب کہ امامت پیغمبر صلعم فرمائیں

اس آیت میں وہ شکل بیان ہوئی ہے جو نماز باجماعت کے لیے میدانِ جنگ میں اختیار کی جا سکتی ہے۔ میدانِ جنگ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کی صورت میں ایک مشکل یہ پیدا ہونے کا امکان تھا کہ قیامِ جماعت کے امکان کی شکل میں جب حضورؐ نماز کی امامت کے لیے کھڑے ہوتے، ہر سپاہی کی یہ آرزو ہوتی کہ وہ آپ ہی کی اقتدا میں نماز ادا کرے۔ یہ آرزو ایک فطری آرزو تھی جس کا لحاظ بھی ضروری تھا اور ساتھ ہی دفاعی تدبیروں کا اہتمام بھی ناگزیر تھا کہ دشمن مسلمانوں کی مصروفیتِ نماز سے فائدہ اٹھا کر اچانک کوئی حملہ نہ کر دے۔ یہ دونوں تقاضے ملحوظ رکھتے ہوئے قیامِ جماعت کی تدبیر یہ بتائی کہ ایک گروہ اسلحہ کے ساتھ امام کے پیچھے نماز کے لیے کھڑا ہو، دوسرا گروہ حفاظت کا فرض انجام دے، جب پہلا گروہ سجدہ کر چکے تو پیچھے ہٹ کر وہ حفاظت و نگرانی کا کام سنبھالے اور دوسرا گروہ، جس نے نماز نہیں پڑھی ہے امام کے پیچھے اسی مسلح حالت میں نماز کے لیے کھڑا ہو۔

اس صورت میں نماز باجماعت کے قیام، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا اور دفاع، تینوں کے تقاضے پورے ہو جاتے ہیں۔ لیکن مقتدیوں اور امام کی نماز کی رکعتوں کی تعداد کیا ہو گی؟ اس سوال کا جواب اس آیت سے پوری طرح واضح نہیں ہوتا جس کے سبب سے اس باب میں فقہا کی رائیں مختلف ہوئیں جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ ہمارے لیے یہ ساری تفصیل نہ یہاں پیش کرنے کی گنجائش ہے، اور نہ چنداں اس کی ضرورت ہی ہے اس لیے کہ یہ شکل، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، اس مشکل کے حل کرنے کے لیے بتائی گئی تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کی صورت میں پیدا ہو سکتی تھی۔ حضورؐ کے بعد کسی ایک ہی امام کی اقتدا کی خواہش نہ تو اتنی شدید ہو سکتی اور نہ اس کی اتنی اہمیت ہی ہے، اس وجہ سے دفاع کے تقاضوں کے مطابق اہلِ لشکر الگ الگ اماموں کی اقتدا میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔

صلوٰۃِ خوف کی شکل آیت ۱۰۲ کی روشنی میں

آیت کے الفاظ سے جو بات نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ امام قصر نماز دو رکعت ادا کرے اور مقتدیوں کے دونوں گروہ ایک ایک رکعت امام کے پیچھے اور ایک ایک رکعت بطور خود ادا کر کے اپنی نماز پوری کریں۔ امام دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہونے سے پہلے اتنا توقف کرے کہ پہلی جماعت اپنی دوسری رکعت اختصار کے ساتھ ختم کر کے پیچھے ہٹ سکے اور دوسری جماعت اس کی جگہ لے سکے۔ اس طرح مقتدی اور امام دونوں کی دو دو رکعتیں ہوں گی۔

بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ امام چار رکعت پڑھے گا اور مقتدیوں کے دونوں گروہ دو دو رکعتوں میں اس کی اقتدا کریں گے۔ اس صورت میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ امام تو اتمام کرے گا اور مقتدی قصر کریں گے۔

حالانکہ قصر کی اجازت جس طرح مقتدیوں کے لیے ہے اسی طرح امام کے لیے بھی ہے۔ امام و مقتدی دونوں کے حالات بھی بعینہٖ ایک ہی طرح کے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں، امام دو رکعتیں ادا کرے گا اور مقتدیوں کے دونوں گروہ اس کے پیچھے ایک ایک رکعت ادا کر کے اپنی نماز ختم کر دیں گے۔ اس شکل میں مقتدیوں کی نماز صرف ایک رکعت کی ہو جاتی ہے حالانکہ قصر میں بھی کوئی نماز ایک رکعت نہیں ہے۔

ہمارے اس رجحان کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس طرح امام اور مقتدی دونوں کی نمازیں کامل توافق ہو گا، نیت کے اعتبار سے بھی اور ظاہر کے اعتبار سے بھی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ آیت میں فَاِذَا سَجَدُوْا کے الفاظ سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ ایک رکعت مقتدیوں کو اپنے طور پر بھی ادا کرنی ہے۔ اگر یہ رکعت ادا نہ کرنی ہوتی یا امام کی اقتدا ہی میں ادا کرنی ہوتی تو فَاِذَا سَجَدُوْا کی جگہ فَاِذَا سَجَدْتَ کے الفاظ ہوتے۔ اس امر کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے کہ سجدہ درحقیقت رکعت کی تعبیر ہے اس لیے کہ رکعت سجدہ ہی سے پوری ہوتی ہے۔

اس خاص شکل کا تعلق نبی صلعم کی موجودگی سے تھا

اس اشارے پر ہم یہاں اکتفا کرتے ہیں۔ اس کی زیادہ تفصیل میں ہم اس لیے نہیں جانا چاہتے کہ ہمارے نزدیک باجماعت صلوٰۃ الخوف کی شکل لازماً ہر حالت میں اور ہر زمانے میں یہی نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق، جیسا کہ ہم نے عرض کیا، خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی سے تھا۔ آیت کے الفاظ میں خود اس کی تصریح موجود ہے وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ ظاہر ہے کہ یہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہے۔ آپ کو مخاطب کر کے ارشاد ہو رہا ہے کہ جب تم موجود ہو اور لوگوں کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہو تب یہ شکل اختیار کی جائے۔ آنحضرت کی موجودگی میں اس شکل کے اختیار کرنے کی ضرورت وہی تھی جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا کہ ہر شخص آپ کی اقتدا کا ثواب بھی حاصل کر سکے اور دفاع کے مقصد کو بھی کوئی نقصان نہ پہنچے۔ اس زمانے میں اول تو جنگ کی صورت ہی بالکل تبدیل ہو چکی ہے۔ دوسرے حضور کی موجودگی کا سوال بھی نہیں ہے۔ اس وجہ سے حالات کے تقاضے کے مطابق قیامِ جماعت کی جو شکل اختیار کی جائے وہ اختیار کی جا سکتی ہے اور اگر قیامِ جماعت کا امکان نہ ہو تو جس طرح ممکن ہو پڑھی جا سکتی ہے۔

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الآیۃ یہ وجہ بیان ہوئی ہے حالتِ نماز میں اس شدت کے ساتھ دفاع کے اس اہتمام کی۔ اس سے یہ بات صاف واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں احتیاط کے تقاضوں سے بے پروا ہونے کی اجازت کسی حال میں نہیں ہے۔ یہاں تک کہ بیماری اور بارش وغیرہ کی تکلیف کے سبب سے اگر اسلحہ اتارنے کے لیے مجبور ہونا پڑے تو صرف اسلحہ اتار سکتا ہے۔ حذر یعنی حفاظتی نوعیت کی چیزوں سے پھر بھی بے پروا ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ۔ الآیۃ کے ٹکڑے میں یہ بات واضح فرمائی گئی ہے کہ ان کفار کی سرکوبی

کے لیے جہاں تک تمہارا تعلق ہے تم پوری طرح مستعد رہو۔ ویسے اللہ نے تو ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر ہی رکھا ہے۔ یہ بات اہل ایمان کی حوصلہ افزائی کے لیے فرمائی گئی ہے۔

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (۱۰۳)

قصر کے کسر کا جبر ذکر الٰہی کی کثرت سے

قصر کی اجازت سے نماز کے ظاہر میں جو کمی واقع ہوئی تو نماز سے فراغت کے بعد اس کی اصل حقیقت — ذکر الٰہی — کے اہتمام میں زیادہ سرگرم ہونے کی ہدایت فرمائی تاکہ اس کسر کا جبر بھی ہو جائے اور دوام ذکر الٰہی، جو روح دین ہے، کی یاددہانی بھی ہو جائے۔ بالخصوص میدانِ جنگ میں اس کی خاص اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ تمام عزم و حوصلہ کا منبع درحقیقت اللہ تعالیٰ کی یاد ہی ہے۔

نبی صلعم کا مقرر کردہ فریضہ عین اللہ کا فریضہ ہے

حالتِ خوف دور ہو جانے کے بعد جب حالتِ امن و اطمینان عود کر آئے تو معاً اقامتِ صلوٰۃ کا حکم بھی عود کر آئے گا۔ یعنی پوری نماز، جماعت اور وقت کی پابندی کے ساتھ ادا کرنی ہوگی۔ اس آیت سے ایک تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اوقات کی پابندی اقامتِ صلوٰۃ کے شرائط میں سے ہے۔ دوسری یہ بات نکلتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان پر جو کچھ فرض کیا ہے وہ عین اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ فریضہ ہے۔ یہ بات اس طرح نکلتی ہے کہ نمازوں کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ اوقات کے اہتمام کے ساتھ فرض ہیں۔ درآنحالیکہ اوقاتِ نماز تمام تر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ ہیں، قرآن میں ان کی کوئی صراحت نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کچھ اشارات ہیں۔

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (۱۰۴)

القوم سے مراد دشمن

اَلْقَوْم کا لفظ، جب اِس سیاق و سباق میں آئے گا جس سیاق و سباق میں یہاں ہے تو اس سے مراد دشمن اور حریف ہوگا۔ کلامِ عرب میں اس مخصوص استعمال کی مثالیں بہت ہیں۔ قرآن میں بھی اس کی مثال موجود ہے۔ مثلاً اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۔ ۱۴۰۔ آل عمران (اگر تمہیں کوئی چوٹ پہنچی تو کوئی تعجب کی بات نہیں، آخر دشمن کو بھی اسی طرح کی چوٹ پہنچی)

ترغیب جہاد کے مضمون کی مزید تاکید

یہ اسی ترغیبِ جہاد کے مضمون کی تاکید مزید ہے جو اوپر سے چلا آ رہا ہے بلکہ یہاں صلوٰۃ الخوف کا ذکر بھی جیسا کہ ہم نے واضح کیا، اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اب یہ فرمایا کہ اگر تمہیں دشمن کے ہاتھوں کوئی نقصان پہنچ جائے تو اس سے بددل ہو کر اس کے تعاقب میں تمہیں پست ہمت نہیں ہونا چاہیے۔ نقصان جس طرح تمہیں پہنچتا ہے انھیں بھی پہنچتا ہے۔ اس اعتبار سے تم اور وہ یکساں ہوا رہی عاقبت کار کی کامیابی تو اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، وہ سو فی صد تمہاری ہی ہے، اس میں ان کا سرے سے کوئی حصہ ہی نہیں ہے تو اس وقتی اور عارضی نقصان سے کیوں پست ہمت ہو۔

یاد رکھو کہ اللہ علیم و حکیم ہے، اگر وہ اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کو کسی آزمائش میں ڈالتا ہے، ان کو کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے تو یہ چیز اس کے علم و حکمت کا تقاضا ہوتی ہے جس سے اہل ایمان کی اصلاح و تربیت مقصود ہوتی ہے۔

۲۲- آگے کا مضمون —— آیات ۱۰۵-۱۱۵

آگے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے یہ ہدایت فرمائی کہ اللہ نے تمہیں جو کتاب عطا فرمائی ہے اب یہی حق و باطل کی کسوٹی ہے، تم اسی کسوٹی پر پرکھ کے لوگوں کے ساتھ معاملہ کرو جو اس پر پورے اتریں وہ مومن و مخلص ہیں، جو اس پر کھوٹے ثابت ہوں وہ عہد شکن اور غدار ہیں، تم خدا کے حضور میں ان کے سفارشی اور وکیل نہ بنو۔ خدا ایسے بدعہدوں اور گناہگاروں کو پسند نہیں کرتا۔ آیت ۸۸ فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ الآیۃ میں جس بات کی طرف اجمالاً اشارہ فرمایا تھا اب یہ اس کی تفصیل آگئی۔ وہاں یہ بات گزر چکی ہے کہ مسلمانوں میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے دل میں منافقین کے لیے بڑا نرم گوشہ رکھتے تھے، وہ ان کو جا و بیجا رعایت دینے کی کوشش کرتے اور بسا اوقات ان معاملات میں بھی انھیں معذور ٹھہراتے جن میں معذور ٹھہرانے کی کوئی بھی گنجائش نہ ہوتی۔ یہ رویہ اگرچہ طبیعت کی نرمی ہی کی بنا پر ہو لیکن خدا کی کتاب جنھیں معذور نہ ٹھہراتی ہو انھیں معذور ٹھہرانا اور ان کی حمایت کرنا نفاق کو شہ دینے بلکہ اس کی پرورش کرنے کے ہم معنی ہے۔ چنانچہ یہاں سب سے پہلے خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چیز سے روکا۔ حضورؐ کی طرف یہ خطاب اسی طرح کا ہے جس کی مثالیں ایک سے زیادہ اس کتاب میں گزر چکی ہیں اور ہم نے واضح کیا ہے کہ ان میں خطاب کا رُخ تو حضورؐ کی طرف ہوتا ہے لیکن جو عتاب ان میں مضمر ہوتا ہے اس کا رُخ اُن لوگوں کی طرف ہوتا ہے جو اس غلطی کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرنے کے بعد براہِ راست ان منافقین کی حمایت کرنے والے مسلمانوں کو مخاطب کیا کہ اس دُنیا میں تو تم ان کی حمایت کر رہے ہو لیکن آخرت میں ان کی حمایت کون کرے گا؟ اس کے بعد فرمایا کہ صحیح طریقہ نہ تو یہ ہے کہ اپنی غلطی کی حمایت کی جائے اور نہ یہ ہے کہ جب کسی پر گرفت ہو تو وہ اپنا بوجھ کسی دوسرے بے گناہ پر لادنے کی کوشش کرے، بلکہ توبہ و استغفار ہے۔ یہ تنبیہ اس لیے فرمائی گئی کہ منافقین اول تو اپنی کوئی غلطی تسلیم کرتے ہی نہیں تھے اور اگر کوئی غلطی اس طرح گرفت میں آجاتی کہ اس کی ذمہ داری سے بچنے کی کوئی سبیل ان کو نظر ہی نہ آتی تو جھوٹ اور بہتان کے ذریعے سے اس کو کسی بے گناہ کے سر تھوپنے کی کوشش کرتے۔

اس کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ محض اللہ کا فضل و احسان اور اس کی

بخشی ہوئی کتاب و حکمت کی برکت ہے کہ ان منافقین کے فتنوں اور ان کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ ہے ورنہ انھوں نے تو تمہیں راہِ حق سے ہٹانے کی کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

اس کے بعد منافقین کی مفسدانہ سرگرمیوں پر ان کو تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ حق واضح ہو جانے کے بعد رسول کی عداوت اور مسلمانوں کے طریقہ کی مخالفت میں یہ سرگرمیاں دکھا رہے ہیں ان کو اللہ اسی راہ پر موڑ دے گا جو انھوں نے اپنے لیے اختیار کی ہے اور یہ راہ جہنم کی راہ ہے۔ اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمایئے۔

آیات ۱۰۵-۱۱۵

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾ وَٱسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا تُجَٰدِلْ عَنِ ٱلَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿١٠٧﴾ يَسْتَخْفُونَ مِنَ ٱلنَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ ٱللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ ٱلْقَوْلِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿١٠٨﴾ هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ جَٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا فَمَن يُجَٰدِلُ ٱللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ أَم مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿١٠٩﴾ وَمَن يَعْمَلْ سُوٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُۥ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ يَجِدِ ٱللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١١٠﴾ وَمَن يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُۥ عَلَىٰ نَفْسِهِۦ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١١﴾ وَمَن يَكْسِبْ خَطِيٓـَٔةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِۦ بَرِيٓـًٔا فَقَدِ ٱحْتَمَلَ بُهْتَٰنًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿١١٢﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ ٱللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُۥ لَهَمَّت طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ أَن يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ وَمَا

ع ۱۶ / ۱۴

يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

الثلثة وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ

اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ

اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ

مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ

ع ۱۴ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ آیات ۱۰۵-۱۱۵

ہم نے یہ کتاب تم پر حق کے ساتھ اتاری ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تمہیں دکھایا ہے اور تم بد عہدوں کے حمایتی نہ بنو۔ اور اللہ سے مغفرت مانگو، بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔ اور ان لوگوں کی وکالت نہ کرو جو اپنے آپ سے خیانت کر رہے ہیں۔ اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو بد عہد اور حق تلف ہیں۔ یہ لوگوں سے تو چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے حالانکہ وہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے جب کہ وہ ناپسندیدہ سرگوشیاں کرتے ہیں اور اللہ جو کچھ وہ کرتے ہیں، سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ۱۰۵-۱۰۸

یہ تم ہو جنھوں نے دنیا کی زندگی میں ان کی مدافعت کی تو قیامت کے دن اللہ سے کون ان کی مدافعت کرے گا یا کون ان کا ذمہ دار بنے گا اور جو کسی بدی کا ارتکاب کرے یا اپنی جان پر کوئی ظلم ڈھائے، پھر اللہ سے مغفرت چاہے، تو وہ اللہ کو بخشنے والا، رحم کرنے والا پائے گا اور جو کسی بدی کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا وبال اسی

پر آتا ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے اور جو کسی غلطی یا گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگاتا ہے تو اس نے اپنے سر ایک بہت بڑا بہتان اور گناہ لیا۔ ۱۰۹-۱۱۲

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے تو یہ ٹھان ہی لی تھی کہ تمھیں بے راہ کر کے رہے گا حالانکہ یہ اپنے آپ ہی کو بے راہ کر رہے ہیں، تمھارا کچھ نہیں بگاڑ رہے ہیں۔ اور اللہ نے تم پر کتاب و حکمت نازل فرمائی اور تمھیں وہ چیز سکھائی جو تم نہیں جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ ۱۱۳

ان کی سرگوشیوں کا زیادہ حصہ ایسا ہے جس میں کوئی خیر نہیں۔ خیر والی سرگوشی تو صرف اس کی ہے جو صدقہ کی صلاح دے یا کسی نیکی کی راہ سجھائے یا اصلاح ذات البین کی دعوت دے۔ جو اللہ کی رضا جوئی میں ایسا کریں گے تو ہم ان کو اجر عظیم عطا فرمائیں گے اور جو کوئی راہ ہدایت واضح ہو چکنے کے بعد رسول کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے گا تو ہم اس کو اسی راہ پر ڈالیں گے جس پر وہ پڑا اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ ۱۱۴-۱۱۵

۳۳- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِــيْمًا ۝ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَھُوَ مَعَھُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا (۱۰۵-۱۰۸)

'ارادت' کا مفہوم

'ارادت' کا لفظ قرآن میں اس وحی کے لیے بھی آیا ہے جو انبیاء علیہم السلام کو رویا میں ہوتی ہے جیسا کہ

انفال آیت ۴۳ میں ہے اور اس رہنمائی کے لیے بھی آیا ہے جو وحیٔ متلو کے ذریعے سے ہوتی ہے، جیساکہ اس آیت میں ہے۔ اس لفظ کے معنی چونکہ دکھا دینے کے ہیں اس وجہ سے اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ پیغمبر کو وحی کے ذریعے سے جو رہنمائی ملتی ہے وہ گویا چشم سر سے حقائق کا مشاہدہ ہوتا ہے اس وجہ سے اس کے لیے اس سے ہٹ کر کوئی راہ اختیار کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ آگے آیت ۱۱۳ میں بھی یہ مضمون آرہا ہے۔

لفظ مجادلہ، اچھے اور برے دونوں معنوں میں

'مجادلۃ' کا لفظ قرآن میں اچھے اور برے دونوں معنوں میں آیا ہے۔ اس کے معنی مناظرہ، کٹ حجتی اور جھگڑنے کے بھی ہیں اور اعتماد و تدلل کی بنیاد پر کسی سے شکوہ کرنے اور اصرار و الحاح کے ساتھ کسی کے حق میں سفارش کرنے کے بھی ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کا مجادلہ قومِ لوط کے بارے میں اور سورۂ مجادلہ میں جس مجادلہ کا ذکر ہے وہ اسی نوع کا ہے۔

منافقت خود اپنے ضمیر سے خیانت ہے

'اَلَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ' سے مراد منافقین ہیں جن کا ذکر 'خائنین' کے لفظ سے ہوا ہے۔ خیانت اس بے وفائی اور غداری کے لیے ایک معروف لفظ ہے جو بیوی اپنے شوہر سے کرتی ہے جس طرح ایک بے وفا عورت اپنے آپ کو جبالۂ عقد میں تو کسی اور مرد کے دیتی ہے لیکن عشق کی پینگیں کسی اور کی طرف بڑھاتی ہے اسی طرح منافقین اطاعت و وفاداری کا عہد تو اللہ اور رسول سے کرتے ہیں لیکن دم دوسروں کا بھرتے ہیں۔ ان کی اس خیانت کی بابت ارشاد ہوا کہ یہ خود اپنے آپ سے خیانت کر رہے ہیں اس لیے کہ ان کی اس خیانت سے خدا اور رسول کا کچھ نہیں بگڑتا، بگڑتا انہی کا ہے لیکن ان کو نظر نہیں آتا۔ علاوہ ازیں اس میں یہ پہلو بھی ہے کہ یہ خود اپنے ضمیر کی نگاہوں میں مجرم ہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ یہ سامنے کیا کر رہے ہیں اور پیٹھ پیچھے کیا کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کی وفا کرنا 'مدعی سست گواہ چست' کا مصداق بنتا ہے۔

خطاب پیغمبرؐ سے، عتاب دوسروں پر

'وَلَا تَکُنْ'، 'وَاسْتَغْفِرِ اللّٰہَ' اور 'وَلَا تُجَادِلْ' میں بظاہر خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن اس میں عتاب کا رُخ ان مسلمانوں کی طرف ہے جو منافقین کی حمایت کرتے تھے۔ اس طرح کے خطاب جیساکہ ہم اس کتاب میں متعدد مقامات میں واضح کر چکے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بحیثیت اُمت کے وکیل کے ہوتے ہیں۔ بات آپ کو مخاطب کر کے کہی جاتی ہے لیکن مقصود یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ یہ حرکتیں کر رہے ہیں وہ ان سے باز آئیں۔ اس اسلوب میں یہ بلاغت بھی ہوتی ہے کہ ان لوگوں سے ایک قسم کی بے التفاتی و بے پروائی کا اظہار ہو جاتا ہے جن کو سرزنش مقصود ہوتی ہے۔ گویا وہ لائق خطاب نہیں اس وجہ سے اللہ نے اپنے رسولؐ کو مخاطب کر کے جو بات فرمانی تھی وہ فرما دی۔ قرآن مجید میں اس طرح کے جو خطاب وارد ہوئے ہیں بالعموم کلام کے تدریجی ارتقا سے ان کا اصلی رُخ بھی واضح ہو گیا ہے کہ خطاب فی الحقیقت کن سے ہے۔ چنانچہ یہاں بھی آگے

والی آیت هٰٓاَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلۡتُمۡ عَنۡهُمۡ الآیۃ نے واضح کر دیا ہے کہ اس میں اشارہ کن کی طرف ہے۔

اللہ اور اہل ایمان کا معیار پسند و ناپسند الگ الگ نہیں ہو سکتا

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الآیۃ کے اسلوب میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ اللہ اور رسول اور مومنین کی پسند اور ناپسند کا معیار الگ الگ نہیں ہو سکتا۔ جن صفات و کردار کے لوگوں کو اللہ پسند نہیں کرتا، کس طرح ممکن ہے کہ رسول اور مومنین انھیں پسند کریں۔ اگر کچھ لوگ ایسے ہیں جو ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں اور ساتھ ہی ان لوگوں کو بھی پسند کرتے ہیں جو اللہ کے نزدیک، ناپسندیدہ ہیں تو وہ خود سوچ لیں کہ ان کی یہ بات کہاں تک پہنچتی ہے۔

مومن و منافق کے درمیان امتیاز کے لیے کسوٹی قرآن ہے

اجزائے کلام کی وضاحت کے بعد آیات کا مدعا چنداں وضاحت طلب نہیں رہا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے کتاب، جو اتاری ہے حق کے ساتھ اتاری ہے، اس وجہ سے اب حق و باطل کے درمیان امتیاز کے لیے کسوٹی یہی ہے، اسی کسوٹی پر پرکھ کر تمھیں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنا ہے کہ کون حق پر ہے کون باطل پر، کون مخلص ہے کون منافق۔ یہ اللہ کی دی ہوئی روشنی اور اس کی دکھائی ہوئی راہ ہے جس کے بعد تمھارے لیے بھٹکنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اس وجہ سے تم ان لوگوں کے حمایتی اور وکیل نہ بنو جو اللہ اور رسول سے بدعہدی اور خیانت کر رہے ہیں۔ تم اللہ سے مغفرت مانگو، اللہ بڑا غفور رحیم ہے۔ جو لوگ اللہ سے بدعہدی کر رہے ہیں وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ رہے ہیں بلکہ خود اپنے ہی نفس سے بدعہدی کر رہے اور اپنے ہی قلب و ضمیر کے مجرم ہیں۔ خدا ایسے بدعہدوں اور حق تلفوں کو پسند نہیں کرتا۔ تو جو خود اپنے ضمیر کی عدالت میں مجرم اور خدا کے مبغوض ہیں، ان کی مدافعت تم کیوں کرو؟ فرمایا کہ یہ انسانوں سے تو چھپتے ہیں اور چھپ چھپ کر اللہ و رسول کے خلاف سرگوشیاں کرتے ہیں لیکن اس اللہ سے کہاں چھپ سکتے ہیں جو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ اپنی ناپسندیدہ سرگوشیوں میں مصروف ہوتے ہیں۔ اللہ کا علم تو ہر چیز کو محیط ہے۔

ان منافقین کی درپردہ سازشوں اور سرگوشیوں کا ذکر اسی سورہ کی آیت ۸۱ میں بھی گزر چکا ہے۔ وہاں بھی دیکھیے۔ اس پر تفصیلی بحث انشاء اللہ سورۂ مجادلہ میں ہوگی۔

هٰٓاَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلۡتُمۡ عَنۡهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا فَمَنۡ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنۡهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَمۡ مَّنۡ يَّكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ وَكِيۡلًا ۝ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ يَظۡلِمۡ نَفۡسَهٗ ثُمَّ يَسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۝ وَمَنۡ يَّكۡسِبۡ اِثۡمًا فَاِنَّمَا يَكۡسِبُهٗ عَلٰى نَفۡسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۝ وَمَنۡ يَّكۡسِبۡ خَطِيۡٓـئَةً اَوۡ اِثۡمًا ثُمَّ يَرۡمِ بِهٖ بَرِيۡٓــئًا فَقَدِ احۡتَمَلَ بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِيۡنًا ۝ (۱۰۹-۱۱۲)

'ھا' کلمۂ تنبیہ ہے

'ھا' عربی میں کلمۂ تنبیہ ہے۔ اس پر دوسرے مقام میں بحث گزر چکی ہے۔ یہ جملہ کے شروع میں آتا ہے اور مقصود اس سے یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کان کھول کر بات سنے۔

لفظ وکیل کے تین معنی

لفظ 'وکیل' کے ساتھ جب 'علیٰ' ہو تو موقع کے لحاظ سے یہ تین معنوں میں آتا ہے۔

۱۔ مسئول اور ذمہ دار کے معنی ہیں۔ مثلاً وَمَا جَعَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِوَكِيۡلٍ ۱۰۷ انعام۔

(ہم نے تم کو ان پر نگران نہیں بنایا ہے اور تم ان کے ایمان کے باب میں مسئول نہیں ہو)

۲۔ نگران کے معنی میں۔ مثلاً خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۱۰۲ انعام (وہ ہر چیز کا خالق ہے، پس اسی کی بندگی کرو اور وہی ہر چیز پر نگران ہے)

۳۔ ضامن کے معنی میں۔ مثلاً أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ۲۸ قصص (دونوں میں سے جو مدت بھی میں پوری کر دوں تو مجھ پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی اور ہم جو قول و اقرار کر رہے ہیں اس پر اللہ ضامن ہے)

ظاہر ہے کہ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا میں یہ پہلے معنی میں ہے۔ یعنی آج تو ان کی حمایت کرنے والے ان کی حمایت میں لڑجھگڑ سکتے ہیں لیکن قیامت کے دن جب خدائے علیم وخبیر کی عدالت میں ان کا مقدمہ پیش ہوگا تو ان کی طرف سے کون مسئول اور جواب دہ بن کر کھڑا ہوگا، اس دن تو بہر حال انھیں خود ہی جواب دہی کرنی ہوگی۔

منافقین کی حمایت کرنے والوں سے خطاب

اب بات سامنے کھل کر آگئی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اوپر کی آیات میں کن کے رویے پر سرزنش کی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ مخاطب نبی صلی اللہ علیہ وسلم شخصاً نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں میں سے وہ لوگ ہیں جو وقتاً فوقتاً اپنے ذاتی تعلقات کی بنا پر منافقین کی حمایت میں آستینیں چڑھا لیتے اور ان کی صریح غلطیوں کے باوجود ان کی برأت کے لیے کوئی نہ کوئی عذر تلاش کرنے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ لوگو، کان کھول کر سن لو کہ آج تو تم ان کی حمایت میں لڑجھگڑ سکتے ہو لیکن کل جب خدا کے ہاں ان کی روبکاری ہوگی تو خدا سے ان کی مدافعت میں کون جھگڑے گا یا کون ان کی طرف سے مسئول بنے گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ خدا سے چھوٹنے کا راستہ یہ نہیں ہے کہ مجرم کی حمایت میں دوسرے پشت پناہ بن کر کھڑے ہوں بلکہ یہ ہے کہ اگر کسی سے کوئی برائی یا کسی ظلم نفس (شرک) کا ارتکاب ہو جائے تو وہ اللہ کی طرف رجوع کرے اور اس سے مغفرت مانگے، جو شخص خلوص کے ساتھ استغفار کرے گا وہ اللہ کو بخشنے والا اور مہربان پائے گا۔ خدا کے ہاں ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھائے گا، جو کسی گناہ کا مرتکب ہوگا اس کا وبال اسی پر آئے گا، اس لیے کہ خدا علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔ اس کے علم اور اس کے عدل وحکمت کا تقاضا یہی ہے کہ زید کا حساب بکر کے کھاتے میں نہ پڑنے پائے بلکہ ہر ایک اپنے عمل کا جواب دہ خود بنے۔

سازشی گروہ کا ایک اور حربہ

'وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً الاية' میں منافقین کی ایک اور شرارت سے پردہ اٹھایا کہ یہ لوگ اپنی کسی غلطی یا کسی حق تلفی پر جب گرفت میں آجاتے ہیں تو اعتراف کے بجائے جھوٹ اور بہتان کی راہ اختیار کرتے ہیں اور اس کا بوجھ کسی بے گناہ پر لادنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فرمایا کہ خدا سے برأت کا یہ راستہ بھی غلط ہے اس بہتان اور جھوٹ سے دنیا کو دھوکا دیا جا سکتا ہے، خدا کو دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔ خدا کے ہاں ایسے مجرم نہ صرف اپنے جرم کا بوجھ اٹھائیں گے بلکہ اپنے اصل جرم پر بہتان اور جھوٹ کا بھی اضافہ کر لیں گے۔

یہ بات یہاں یاد رکھنی چاہیے کہ اوپر منافقین کی سازشوں اور سرگوشیوں کا ذکر گزر چکا ہے۔ سازشی گروہوں کا خاص حربہ اپنے دفاع کے لیے یہی ہوتا ہے کہ جب وہ پکڑے جاتے ہیں تو اس کا الزام یا تو دوسرے بے گناہوں کے سر تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں یا کم از کم ان کو بھی اس میں ملوث کرنے کے لیے بہتان طرازی کرتے ہیں تاکہ اپنا بارِ گناہ کچھ ہلکا کر لیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (۱۱۳)

آنحضرت صلعم کی طرف التفات اور مسلمانوں کو آگاہی

یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف التفات اور آپ کے واسطے سے مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ یہ اللہ کا تمھارے اوپر خاص فضل و احسان ہے کہ تم ان منافقین کے شر سے محفوظ رہے ورنہ ان کی ایک جماعت کی تو رات دن کوشش اور سازش یہی ہے کہ تمھیں راہ سے بے راہ کر کے رہے لیکن اللہ نے اپنے فضلِ خاص سے تمھیں کتاب و حکمت کی جو روشنی عطا فرمائی ہے اس نے تمھیں لغزش سے محفوظ رکھا۔ اس میں مسلمانوں کو یہ تنبیہ ہے کہ اس گروہ کی آفتوں اور فتنوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں اور ساتھ ہی اس سے محفوظ رہنے کی تدبیر بھی بتا دی کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ کتاب و حکمت کی جو نعمت ان کو ملی ہے اس کی سچے دل سے قدر کریں اور ان لوگوں کے چکموں میں نہ آئیں جو اس سے ہٹ کر اپنی راہ نکال رہے ہیں۔

راہِ حق سے ہٹ کر چلنے والے خود اپنے کو گمراہ کرتے ہیں

'وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ' میں اس حقیقت نفس الامری کا بیان ہے کہ راہِ حق سے منحرف ہو کر چلنے والے اگر راہِ حق پر چلنے والوں کو حق سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکیں تو پھر وہ اپنی تمام دانش فروشیوں کے باوجود صرف اپنے ہی کو گمراہ کرتے ہیں، جادۂ حق پر استوار رہنے والوں کو وہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ تم اپنے موقفِ حق پر ڈٹے ہوئے دیکھتے رہو کہ یہ تباہی کے کس کھڈ میں جا گرتے ہیں۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (۱۱۴-۱۱۵)

نجویٰ کا مفہوم اور اس میں خیر و شر کا پہلو

'نجویٰ' کے معنی سرگوشی اور رازداری کے انداز میں کسی سے بات کرنے کے ہیں۔ اس میں بجائے خود کوئی برائی نہیں ہے اس لیے کہ ایسے مواقع بہت سے ہو سکتے ہیں جہاں رازداری اور سرگوشی کا طریقہ ہی قرینِ مصلحت ہو۔ ہر جگہ اور ہر موقع پر اذان دینا ہی ضروری نہیں ہے۔ اس میں برائی یا بھلائی بات کی نوعیت سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر بات نیکی اور تقویٰ کی ہے تو وہ نجوائے خیر ہے اور اگر بات شرارت اور فتنے کی ہے تو وہ نجوائے شیطانی ہے۔ قرآن نے اس حقیقت کی وضاحت سورۂ مجادلہ میں فرما دی ہے۔ 'يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ

فَلَا تَتَنَاجَوۡا بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَتَنَاجَوۡا بِالۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰی (اے ایمان والو، جب تم آپس میں رازداری کے ساتھ بات کرو تو گناہ اور تعدّی کی مشورت نہ کرو بلکہ نیکی اور تقویٰ کی بات کرو)

نجویٰ نیک مقاصد کے

"اِلَّا مَنۡ اَمَرَ بِصَدَقَۃٍ" میں ایک مضاف محذوف ہے جس طرح "وَلٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ" میں ہے، جس کا ذکر بقرہ میں گزر چکا ہے۔ یعنی ان کا نجویٰ تو بیشتر شیطانی ہوتا ہے البتہ ان کے نجویٰ میں خیر ہے جو صدقہ، نیکی اور اصلاح کے لیے نجویٰ کریں۔

مشاقۃ اور الھدیٰ کا مفہوم

"مشاقۃ" اور "الھدیٰ" کے الفاظ پر سورۂ بقرہ میں بحث گزر چکی ہے۔ رسولؐ کے ساتھ شاقہ کے معنی ہیں رسول کے مقابل میں اپنی ایک پارٹی کھڑی کرنے کی کوشش کرنا اور "الھدیٰ" کے معنی "ھُدَی اللّٰہ" یعنی اللہ کی ہدایت کے ہیں جس طرح "الکتٰب" کے معنی کتاب اللہ کے۔

سبیل المؤمنین سے مراد

"سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ" میں مومنین سے مراد صحابۂ رسولؐ ہیں۔ انھوں نے زندگی کا جو طریقہ اختیار کیا وہ سرتا سر ہدایت الٰہی پر مبنی تھا اس وجہ سے اس کی اتباع ہی اللہ اور رسولؐ کی اتباع ہے اس سے ہٹ کر کوئی راہ نکالنا گمراہی ہے۔

نولہ ما تولیٰ کا اسلوب

"نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی" میں وہی اسلوب ملحوظ ہے جو "فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوۡبَھُمۡ" میں ہے یعنی جو لوگ اہل ایمان کے راستہ سے ہٹ کر کوئی راہ نکالنے کی کوشش کریں گے خدا ان کو اسی راہ پر موڑ دے گا جس پر وہ جانا چاہتے ہیں۔ حق کے ترک و اختیار کے معاملے میں خدا کے ہاں جبر نہیں ہے جو خدا کی راہ پر چلنا چاہتا ہے اللہ اس کو اس کی توفیق ارزانی فرماتا ہے، جو اس سے الگ ہو کر اپنی پسند کردہ کوئی راہ اختیار کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کے لیے بھی اس کو ڈھیل دے دیتا ہے۔

منافقین کی سرگوشیوں کی نوعیت

اوپر آیت ۱۰۸ میں "اِذۡ یُبَیِّتُوۡنَ مَا لَا یَرۡضٰی مِنَ الۡقَوۡلِ" کے الفاظ سے منافقین کی جن سرگوشیوں اور سازشوں کی طرف اشارہ فرمایا تھا اب یہ اس کی وضاحت ہو رہی ہے کہ ان کی سرگوشیوں کا اکثر حصہ خیر سے بالکل خالی محض فتنہ و فساد کی باتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ بابرکت سرگوشی تو وہ ہو سکتی ہے جو صدقے کی ترغیب، نیکی کی تشویق اور اصلاح ذات البین کے مقصد سے ہو اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے درپردہ ان اعلیٰ مقاصد کے لیے کام کریں اللہ ان کو بڑا اجر دے گا۔

اس کے بعد فرمایا کہ جو لوگ یہ اچھی طرح سمجھ چکنے کے بعد کہ رسول جس طریق ہدایت کے داعی ہیں یہ اللہ کی اتاری ہوئی ہدایت ہے، رسول کی مخالفت کر رہے ہیں اور اہل ایمان کے اختیار کیے ہوئے طریقے کو چھوڑ کر کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہتے ہیں اللہ ان کو ان کی اختیار کی ہوئی راہ پر جانے کے لیے چھوڑ دے گا اور یہ اس راہ سے سیدھے جہنم میں پہنچ جائیں گے جو نہایت برا ٹھکانا ہے۔

ان دونوں آیتوں پر تدبر کی نگاہ ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ قرآن نے نہایت بلیغ اسلوب سے ان منافقین کے نجویٰ کی نوعیت بھی واضح کر دی ہے اور اس کا مقصد بھی بے نقاب کر دیا ہے۔ جب یہ فرمایا کہ ان کے

نجویٰ میں کوئی خیر نہیں، نجوائے خیر تو ان کا نجویٰ ہے جو صدقہ پر اُبھاریں، معروف پر چلنے کی ترغیب دیں اور اصلاح ذات البین کی کوشش کریں تو اس سے یہ بات آپ سے آپ نکل آئی کہ یہ لوگ جو سرگوشیاں کرتے ہیں اس میں یہ لوگوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتے ہیں، معروف کے بجائے منکر کی ترغیب دیتے ہیں اور اصلاح ذات البین کے بجائے مسلمانوں میں نفاق ڈلوانے کی سازش کرتے ہیں۔

اسی طرح جب یہ فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی ہدایت، اچھی طرح واضح ہو چکنے کے بعد رسولؐ کی اور اللہ کی ہدایت کی مخالفت کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے راستے سے الگ اپنی ایک پگڈنڈی نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں اللہ ان کو ان کی پسند کردہ راہ پر جانے کے لیے چھوڑ دے گا جو ان کو سیدھے جہنم میں لے جا کے گرائے گی تو گویا یہ واضح کر دیا کہ ان لوگوں کی ان تمام سازشوں اور سرگوشیوں کا مدّعا درحقیقت یہ ہے کہ یہ رسول کے بالمقابل اپنی ایک الگ پارٹی بنانا، ہدیٰ اللہ کے بالمقابل اپنی ایک علیحدہ ڈگر نکالنا اور طریقۂ مومنین کے بالمقابل طریقۂ جاہلیت کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔

میں جب یہ آیتیں پڑھتا ہوں تو میرا ذہن بار بار اس طرف جاتا ہے کہ یہ ان لوگوں کو جواب دیا گیا ہے جو ان منافقین کی حمایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین مخلصین سے بحثیں اور مناظرے کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان منافقین کی ان خفیہ مجلسوں اور درپردہ سازشوں کی اطلاعات جب حضورؐ کو اور صحابہؓ کو پہنچتی رہی ہوں گی تو ان پر کسی نہ کسی نوعیت سے گرفت بھی ہوتی رہی ہوگی۔ اس وقت ان کے یہ حمایتی، جن کا اوپر ذکر ہوا، ان کی صفائی میں کہتے رہے ہوں گے کہ یہ لوگ تو بڑے مخلص ہیں، یہ تو ملت کے بڑے ہوا خواہ ہیں، ان کی مجلسوں میں جو باتیں ہوتی ہیں وہ اسلام اور مسلمانوں کی بہبود اور خیرخواہی کی ہوتی ہیں اور اگر اس ذیل میں کوئی ایسی بات گرفت میں آتی رہی ہوگی جس کا جواب نہ بن آتا ہوگا تو اس کا الزام، جیسا کہ اُوپر اشارہ گزرا، کسی ایسے بھلے مانس پر ٹھونک دیتے رہے ہوں گے جس کے حاشیہ خیال میں بھی وہ بات کبھی نہیں آئی ہوگی۔ ان لوگوں کی اس وکالت کے جواب میں قرآن نے نہایت بلیغ طریقے سے ان اندرونِ خانہ سرگوشیوں سے پردہ اُٹھایا اور دیکھیے کتنی خوبصورتی سے پردہ اٹھایا ہے کہ ساری بات بھی سامنے آگئی اور مخاطب کے لیے کسی بحث و تردید کی گنجائش بھی باقی نہیں رہی۔

۴۳- آگے کا مضمون —— آیات ۱۱۶-۱۲۶

آگے پہلے وجہ بیان ہوئی ہے اس بات کی کہ یہ منافقین جو اللہ کی ہدایت واضح ہو چکنے کے بعد رسول کی مخالفت اور مومنین کی روش سے الگ اپنی راہ نکالنا چاہتے ہیں جہنم میں پڑیں گے تو کیوں پڑیں گے؟ اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ کی ہدایت کے خلاف کوئی راہ اختیار کرنا، خدا کے رسولؐ کے خلاف اپنی پارٹی کھڑی کرنا اور مومنین کے راستے سے الگ راہ نکالنا اپنی حقیقت کے لحاظ سے شرک ہے اور

اللہ تعالیٰ کا شرک کے متعلق یہ فیصلہ ہے کہ وہ اس کو معاف فرمانے والا نہیں۔

شرک کی حقیقت

اس کے بعد شرک کے ذکر کے تعلق سے شرک کی حقیقت واضح فرمائی کہ جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ درحقیقت شیطان کے پیرو ہیں۔ اس نے ان کے لیے آرزوؤں کے جو پرفریب دام بچھائے ہیں اس میں وہ پھنس گئے ہیں اور جو کچھ وہ انھیں سجھاتا ہے بالکل اندھے بہرے ہو کر اس کی تعمیل کر رہے ہیں حالانکہ اس کے تمام وعدے بالکل فریب ہیں۔ ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے جس میں داخل ہونے کے بعد اس سے ان کو نکلنا نصیب نہ ہو گا۔

فوز و فلاح صرف اہل توحید کے لیے

پھر اہل توحید کی فوز و فلاح کا ذکر فرمایا کہ یہ لوگ بے شک خدا کی ابدی بہشت میں داخل ہوں گے اور ان کے لیے اللہ کے جو وعدے ہیں وہ شیطان کے وعدوں کی طرح محض فریب نہیں ہیں بلکہ سرتاسر حقیقت ہیں اور خدا کی بات سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے؟

خدا کے ہاں کام آنے والی چیز ایمان و عمل صالح

اس کے بعد فرمایا کہ جھوٹی آرزوؤں پر جو لوگ جی رہے ہیں، خواہ منافقین ہوں یا اہل کتاب، سب دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کسی کی آرزو بھی پوری ہونے والی نہیں۔ خدا کے ہاں کام آنے والی چیز ایمان اور عمل صالح ہے۔ خدا کی بہشت میں وہی داخل ہوں گے جن کے پاس یہ متاع ہو گی جو اس سے محروم ہوں گے وہ اپنی برائیوں کی سزا بھگتیں گے خواہ کوئی ہوں۔

ملت ابراہیم سے بڑھ کر کوئی ملت توحید کی حامل نہیں

آخر میں فرمایا کہ اصل دین ان لوگوں کا ہے جو اسلام کے پیرو ہیں۔ یہی ملت ابراہیم ہے۔ ابراہیم خدائے واحد کے پرستار تھے اور ان کی اس توحید ہی کی وجہ سے خدا نے ان کو دوست بنایا تھا۔ اس کائنات کی ہر چیز خدا ہی کی ہے اور خدا ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اب اس روشنی میں آگے کی آیات تلاوت فرمائیے۔

آیات ۱۱۶-۱۲۶

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١١٦﴾ إِن يَدْعُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِن يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَّرِيدًا ﴿١١٧﴾ لَّعَنَهُ اللَّهُ ۘ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿١١٨﴾ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۚ وَمَن يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّن دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ﴿١١٩﴾

وقف لازم

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾
اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ
مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ
مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا
وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ
هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾
وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ
اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾

ع ۱۸ / ۱۱ / ۱۵

ترجمہ آیات ۱۱۶-۱۲۶

بے شک اللہ اس چیز کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے، اس کے
نیچے جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے گا وہ بہت دور کی
گمراہی میں جا پڑا۔ یہ اس کے سوا پکارتے بھی ہیں تو دیویوں کو اور پکارتے بھی ہیں تو
شیطان سرکش کو۔ اس پر اللہ کی پھٹکار ہے! اور اس نے کہہ رکھا ہے کہ میں تیرے
بندوں میں سے ایک معیّن حصہ ہتھیا کے رہوں گا، ان کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا، ان کو
آرزوؤں کے جال میں پھنساؤں گا، ان کو سجھاؤں گا تو وہ چوپایوں کے کان کاٹیں گے
اور ان کو سجھاؤں گا تو وہ خدا کی بنائی ہوئی ساخت کو بگاڑیں گے اور جو اللہ کے سوا

شیطان کو اپنا کارساز بنائے تو وہ کھلی ہوئی نامرادی میں پڑا۔ وہ ان کو وعدوں کے بہلاوے دیتا ہے، آرزوؤں میں پھنساتا ہے اور شیطان کے وعدے سرتاسر فریب ہیں۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ اس سے گریز کی کوئی راہ نہیں پائیں گے۔ ۱۱۶-۱۲۱

اور جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک کام کیے ہم ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اللہ کا وعدہ حق ہے اور اللہ سے زیادہ وعدے کا سچا کون ہو سکتا ہے۔ ۱۲۲

آرزوئیں نہ تمھاری پوری ہونی ہیں نہ اہل کتاب کی۔ جو کوئی برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا اور وہ اپنے لیے اللہ کے مقابل کوئی کارساز اور مددگار نہ پا سکے گا اور جو نیکی کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہے تو یہی لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرا بھی حق تلفی نہ ہوگی۔ ۱۲۳-۱۲۴

اور باعتبار دین اس سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے جو اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ کردے درآنحالیکہ خوب کار بھی ہو اور ابراہیم کی ملت کی پیروی کرے جو بالکل یکسو تھا اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ۱۲۵-۱۲۶

۳۵- الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا (۱۱۶)

'دون' کا لفظ اپنے استعمالات کے لحاظ سے ورے اور پرے، نیچے اور اوپر، آگے اور پیچھے دونوں معنوں

میں آتا ہے۔ قرینہ معین کرتا ہے کہ کہاں کیا مراد ہے۔ یہاں ظاہر ہے کہ ورے یا نیچے کے معنی میں ہے۔
جس طرح تمام خیر کا منبع توحید ہے یعنی خدا کی ذات، صفات اور اس کے حقوق میں کسی کو ساجھی نہ ٹھہرانا اسی طرح تمام شر کا منبع شرک ہے یعنی خدا کی ذات، صفات اور اس کے حقوق میں کسی کو شریک ٹھہرانا۔ توحید پر قائم رہتے ہوئے انسان اگر کوئی ٹھوکر کھاتا ہے تو وہ غلبۂ نفس و جذبات سے اتفاقی ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنی غلطی ہی کو اوڑھنا بچھونا بنا لے۔ اس وجہ سے وہ گرنے کے بعد لازماً اٹھتا ہے۔ برعکس اس کے شرک کے ساتھ اگر کسی سے کوئی نیکی ہوتی ہے تو وہ اتفاقی ہوتی ہے جس کا اصل منبع خیر یعنی خدا سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اس وجہ سے وہ بے بنیاد ہوتی ہے۔ مشرک خدا سے کٹ جانے کی وجہ سے لازماً اپنی باگ نفس اور شیطان کے ہاتھ میں دے دیتا ہے اس وجہ سے وہ درجہ بدرجہ صراط مستقیم سے اتنا دور ہو جاتا ہے کہ اس کے لیے خدا کی طرف لوٹنے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ جاتا تا آنکہ وہ شرک سے توبہ کرے۔ اس وجہ سے خدا کے ہاں شرک کی معافی نہیں ہے۔ البتہ توحید کے ساتھ اگر کسی سے گناہ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے گا معاف فرما دے گا۔

مغفرت کا مفہوم
شرک کے ناقابل معافی جرم ہونے کی وجہ

اوپر ہم نے اشارہ کیا ہے کہ یہاں یہ شرک کا ذکر ان منافقین کے تعلق سے ہوا ہے جو رسول کی، ہدایتِ الٰہی کی اور طریقۂ اہل ایمان کی مخالفت کر رہے تھے۔ خدا کی شریعت اور اس کے قانون کے ہوتے ہوئے کسی اور کے قانون و شریعت کی پیروی کی جائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو حق خدا کا ہے اس میں دوسرے کو شریک کر دیا گیا ہے۔ رسول، اللہ کی شریعت لاتا ہے، ہدی اللہ، اللہ کی شریعت ہے اور اہلِ ایمان کا طریقہ اسی شریعت پر قائم ہے۔ اب جو لوگ اس سے الگ کوئی راہ نکالنے کے درپے ہیں وہ راہ اللہ کی نہیں بلکہ شیطان کی ہے اور اس پر چلنے والے شیطان اور طاغوت کے پیرو ہیں اور یہ چیز اسی طرح شرک ہے جس طرح تحاکم الی الطاغوت شرک ہے جس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔[1]

خدا کی ہدایت کے برخلاف کسی طریقے کی پیروی کرنا شرک ہے

وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ میں لِمَنْ یَّشَآءُ کی قید بھی قابلِ غور ہے۔ ایمان کے ساتھ جو گناہ صادر ہو جاتے ہیں ان کی معافی کے ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے لِمَنْ یَّشَآءُ (جس کے لیے چاہے گا) کی قید بھی لگائی ہے جو نہایت اہمیت رکھنے والی قید ہے۔ ہم اس کتاب میں بار بار ذکر کر چکے ہیں کہ قرآن سے یہ بات بالکل غیر مشتبہ طور پر ثابت ہے کہ خدا کی کوئی مشیت بھی اس کی حکمت سے الگ نہیں ہے اس وجہ سے یہ معافی انہی کو حاصل ہوگی جو اس کے عدل و حکمت کے تحت اس کے سزاوار ٹھہریں گے۔ اس قید نے اس معاملے میں بے جا جسارت کے تمام دروازے بند کر دیے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی اس مشیت کے لیے جو قاعدے ضابطے رکھے ہیں وہ اس نے خود قرآن میں بیان فرما دیے ہیں۔

---

[1] توحید اور شرک کی حقیقت اچھی طرح سمجھنے کے لیے ہماری کتاب 'حقیقتِ شرک' و 'توحید' پڑھیے۔

إِن يَدْعُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا ۚ وَإِن يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَّرِيدًا ۝ لَّعَنَهُ اللَّهُ ۘ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۚ وَمَن يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّن دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ۝ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۝ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ۝ (۱۱۷-۱۲۱)

'ان یدعون' یہاں پکارنے سے مراد وہ پکارنا ہے جو دعا، فریاد، استغاثہ، استعانت، استرحام وغیرہ کے قصد سے اس معنی میں ہو جس معنی میں معبود کو پکارا جاتا ہے۔

اناث سے مراد مزعومہ دیویاں ہیں

اناث، انثی کی جمع ہے۔ انثی، لغوی مفہوم میں تو نرم و نازک اور ڈھیلی ڈھالی چیز کے لیے استعمال ہوا ہے لیکن معروف استعمال اس کا عورت کے لیے ہے۔ یہاں چونکہ مشرکین کے دیویوں دیوتاؤں کے ذکر کے سیاق میں ہے اس وجہ سے اس سے مراد دیویاں ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مشرکین کی دیومالا میں، خواہ وہ کسی قوم و ملک کے مشرکین ہوں، دیویوں کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل رہی ہے۔ چین، ہندوستان، عرب، مصر اور بابل و نینوا وغیرہ کے مشرکانہ مذاہب کی جو تاریخ موجود ہے اس پر ایک سرسری نظر ڈال کر اس کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔ یہ بات بھی خاص طور پر ملحوظ رکھنے کی ہے کہ زندگی کی جو اصل ضرورتیں ہیں وہ بیشتر انھیں دیویوں سے متعلق سمجھی جاتی رہی ہیں۔ عرب جاہلیت میں بھی خدائی کے نظام پر بیشتر دیویوں ہی کا قبضہ تھا۔ لات، منات، عزّیٰ وغیرہ دیویوں ہی کے نام ہیں۔ یہ، جیسا کہ سورۂ نجم کی تفسیر میں واضح ہوگا، فرشتوں کے بت تھے جن کے متعلق مشرکین کا عقیدہ تھا کہ یہ خدا کی لاڈلی اور چہیتی بیٹیاں ہیں جن کی بات خدا کبھی نہیں ٹالتا اس وجہ سے ان کے واسطہ سے جو کچھ مانگا جائے اگر یہ راضی ہوں تو وہ مل کے رہتا ہے۔ قرآن میں ان کے اس عقیدہ کا جگہ جگہ حوالہ ہے مثلاً وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَٰنِ إِنَاثًا۔ ۱۹ زخرف (اور انھوں نے فرشتوں کو جو خدائے رحمان کے بندے ہیں دیویاں بنا ڈالا ہے) پیچھے جبت و طاغوت کی بحث کے ضمن میں ہم یہ بات بھی واضح کر چکے ہیں کہ اہل کتاب نے بھی، جب مشرک قوموں سے ان کو سابقہ پیش آیا، ان کے بہت سے مشرکانہ طریقے اختیار کر لیے اور انھی کی طرح بہت سے دیوی دیوتا اپنے لیے بنا لیے جس کا ماتم ان کے انبیاء نے کیا ہے اور یہ ماتم خود ان کے صحیفوں میں موجود ہے۔ نصاریٰ حضرت مریم کی نسبت جو عقیدہ رکھتے ہیں وہ بھی معلوم ہے۔

شرک کا امام شیطان ہے

'وَإِن يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَّرِيدًا' شیطان کے پکارنے کا ذکر اصل مرشد شرک کی حیثیت سے ہے اس لیے کہ وہی ہے جس نے آدم کو سجدہ کرنے کے معاملے میں خدا کے حکم کی رو در رو نافرمانی کی اور جب خدا نے اس کے اس تمرد و سرکشی پر اس کو لعنت کی تو اس نے دھمکی دی کہ میں تیرے بندوں کو مختلف طریقوں سے توحید سے ہٹا کر شرک میں مبتلا کروں گا۔ اس وجہ سے شرک جہاں کہیں بھی اور جس شکل میں بھی پایا جاتا ہے اس کا امام درحقیقت شیطان ہی ہے اور اس اعتبار سے ہر وہ دعا اور التجا اور ہر وہ عبادت و اطاعت جو

کسی غیر اللہ سے یا کسی غیر اللہ کے لیے کی جا رہی ہے وہ بالواسطہ شرک کے اس امام ہی سے اور اسی کے لیے ہوتی ہے۔

لَّعَنَهُ اللّٰهُ جملہ معترضہ کے مفہوم میں

لَّعَنَهُ اللّٰهُ صفت بھی ہو سکتا ہے اس لیے کہ جس وقت شیطان نے اللہ کے بندوں کو شرک میں مبتلا کرنے کی دھمکی دی تھی اسی وقت اللہ تعالیٰ نے، جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے، اس پر لعنت بھی کر دی تھی اس وجہ سے وہ اس صفت کا دائمی موصوف ہے لیکن ہم نے اس کو جملہ معترضہ کے مفہوم میں لیا ہے اور اسی اعتبار سے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اس میں بلاغت کا یہ پہلو ہے کہ گویا جوں ہی اس امام شرک کا نام آیا اللہ تعالیٰ نے عین اس کے عابدوں کے منہ پر اس پر لعنت کر دی۔ یہ اظہار نفرت کا سب سے زیادہ موثر طریقہ ہے۔

شیطان کی دھمکی بنی آدم کو

وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ الاٰیۃ میں شیطان کی اس دھمکی کا حوالہ ہے جو اس نے اس وقت دی تھی جب اس نے آدم کو سجدہ کرنے کے معاملے میں کھلم کھلا خدا کے حکم کی نافرمانی کی اور خدا نے اس کو راندۂ درگاہ قرار دیا۔ اس دھمکی کا ذکر قرآن نے متعدد مقامات میں کیا ہے۔ مثلاً

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ	خدا نے پوچھا کہ جب میں نے تجھے سجدے کا حکم دیا تو تجھے
قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ	سجدے سے کس چیز نے روکا؟ شیطان نے جواب دیا
نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۝ قَالَ	کہ میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور
فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا یَكُوْنُ لَكَ اَنْ	اس کو مٹی سے بنایا ہے۔ خدا نے فرمایا تو یہاں سے اتر،
تَتَكَبَّرَ فِیْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ	تجھے یہ حق نہیں ہے کہ تو اس میں اپنی بڑائی کا گھمنڈ کرے
الصّٰغِرِیْنَ ۝ قَالَ اَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ	پس تو یہاں سے نکل، تو خوار ہونے والوں میں سے ہے
یُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ۝	اس نے کہا مجھے لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن تک
قَالَ فَبِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ	مہلت دے دے۔ خدا نے فرمایا تجھے مہلت دی گئی۔
صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ	شیطان نے کہا چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے اس وجہ سے
مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ	میں ان کی گھات میں تیری سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔ پھر میں
اَیْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَ لَا	ان کے آگے سے، ان کے پیچھے سے، ان کے دہنے سے،
تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ ۝ قَالَ	ان کے بائیں سے ان پر گھیرے ڈالوں گا اور تو ان میں سے
اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ	اکثر کو اپنا شکر گزار نہ پائے گا۔ خدا نے فرمایا تو ذلیل و
لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ	خوار ہو کر یہاں سے دور ہو۔ ان میں سے جو تیری پیروی
مِنْكُمْ اَجْمَعِیْنَ (۱۲-۱۸ اعراف)	کریں گے تو میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

شیطان کے اس مناظرے سے اس کے اس جوش و سرگرمی کا بھی پورا پورا اظہار ہو رہا ہے جو وہ بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لیے اپنے اندر رکھتا ہے اور یہ بات بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ اس کی تمام مساعی ضلالت کا خاص